جامعہ پریس دہلی

فہرست مضامین

عرض مرتب

حالی صدی کے جشن کی مبارک تقریب میں یہ تحفہ حالی پبلشنگ ہاؤس کی طرف سے اربابِ ذوق کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پبلشنگ ہاؤس اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ مولانا حالی کی کُل تصانیف صحت اور سلیقے کے ساتھ چھپوا کر شائع کی جائیں اور ادب کے اس خاص رنگ کو جو مولانا کی نظم اور نثر میں جھلکتا ہے ملک میں رواج دیا جائے۔ یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔

حاؔلی بہت بڑے شاعر اور نقاد تھے اور کچھ اس سے بھی بڑھ کر تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے ادبی مجدد تھے جنھوں نے ملک کے بگڑے ہوئے مذاق کو سدھارا اور سنوارا اور اردو ادب کو پستی سے نکال کر بلندی کی راہ دکھائی۔

حاؔلی کے بچپن کا زمانہ ہندوستان میں تمدن اور معاشرت کے انتہائی تنزل کا دور تھا۔ سلطنت مغلیہ جو تین سو سال سے اہل ہند خصوصاً مسلمانوں کی تمدنی زندگی کی مرکز بنی ہوئی تھی، دم توڑ رہی تھی۔ سیاسی انتشار کی وجہ سے جماعت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور انفرادیت کی ہوا چل رہی تھی۔ افراد میں نہ مقصد کا اتحاد رہا تھا نہ عمل کا۔ ایک گروہ

دوسرے کی پروا نہیں تھی، سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ فرق اتنا تھا کہ کسی کو جسمانی عیش و عشرت کی فکر تھی کسی کو روحانی فلاح و نجاح کی۔ امیر اپنے مال میں مست تھے فقیر اپنے حال میں۔ ذہن دنیا سے بیزار تھا۔ علم عمل سے بیگانہ۔

انفرادیت کے یہ دونوں رنگ، لذت پرستی اور ترک دنیا، ادب و شعر میں بھی سرایت کر گئے تھے۔ ادیب و شاعر جن کا کام زندگی کی ترجمانی اور حقیقت کی تفسیر ہے زندگی کی سختیوں سے ڈر کر، حقیقت کی تلخیوں سے گھبرا کر، اپنے اپنے خیالی قلعوں میں محصور ہو گئے تھے۔ غم روزگار کا اندیشہ دل سے مٹانے کے لیے کوئی رندوں کی صحبت میں عشرت پرستی کی داد دے رہا تھا، کوئی کنج عزلت میں خود پرستی کے مزے لے رہا تھا۔ خدا کی کائنات، بندگان خدا کی دنیا، مظاہر فطرت، مسائل حیات کی طرف سے آنکھیں بند کر کے خودی کے عالم میں محو تھے اور اسی کو خدا بی سمجھتے تھے۔ اپنے دلوں میں جو حقیقی سوز سے خالی تھے، جلی ہوئی راکھ کو کریدتے تھے اور بجھی ہوئی چنگاریوں کو پھونک پھونک کر دہکاتے تھے۔ شورش تخئیل کا نام حسن رکھا تھا، اضطراب قلب کو عشق قرار دیا تھا اور اسی نا دار حسن، اسی ناکام عشق کو خلاصۂ کائنات اور سرمایۂ زندگی جانتے تھے۔

ایک طرف داستان گو جن و پری کی کہانیاں سنا کر اونگھتوں کو سلاتے تھے، رنگیں مزاج سخنور ریختی کی غزل اور ریختے کے واسوخت سے بوالہوسوں کی ہوائے نفس کو بھڑکاتے تھے۔ دوسری طرف کچھ دل جلے شاعر دنیا کی بے ثباتی، انسان کی

بے بسی، سعی وعمل کے بے اثری، تقدیر کے ستم، فلک کے جور کا دکھڑا روتے تھے اور حیات بے بقا سے دلوں کو پھیر کر فنا کی راہ دکھاتے تھے۔ گہرے جذبات اور اونچے خیالات کی کمی سے سیدھی بات میں لطف نہیں آتا تھا اس لیے بے قید مبالغے، پیچیدہ ترکیبوں، دور از کار تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیتے تھے اور اُسے معانی آفرینی اور بلند پروازی کہتے تھے۔ غزل کی قبولیت نے سب اصناف سخن کو مات کر دیا تھا اس لیے کہ زندگی کے انتشار اور بے ربطی، طبیعتوں کی زود حسی اور تنگ ظرفی کا آئینہ غزل ہی بن سکتی تھی۔

اسی زمانے میں مظلوموں کی حرکت مذبوحی کا وہ ہنگامہ برپا ہوا جسے انگریز مورّخ غدر کہتے ہیں۔ اس نے سارے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا اور تمدن و معاشرت کی بنیادوں کو جو پہلے ہی سے کمزور تھیں اتنا ہلایا کہ معلوم ہوتا تھا۔ ساری عمارت اک بارگی بیٹھ جائے گی۔ بستیاں اُجڑ گئیں، محفلیں بچھڑ گئیں، گھر بار لُٹ گئے اُن کے رہنے والے نہ جانے کتنے بدامنی میں مارے گئے اور کتنے امن میں پھانسی پر لٹکائے گئے، دلوں پر ہیبت کا سکّہ جم گیا، خوف کے پہرے بیٹھ گئے۔

اس نفسی نفسی کے عالم میں زندگی کے ہر شعبے خصوصاً ادب اور شعر میں انفرادیت انتہا کو پہنچ گئی۔ شاعروں کی بے حسی کا یہ حال تھا کہ ایک کے سوا کسی نے سلطنت کی تباہی اور ملک کی بربادی پر دو آنسو بھی نہ بہائے۔ جو ہلاکت کے نتیجے

سے بچ نکلے اُنھوں نے پھر اُسی دھن میں الاپنا شروع کر دیا۔ پھر وہی رندوں کا شرد تعیش اور زاہدوں کا ساز تجرّد۔ پھر وہی خود کامی اور خود پرستی۔

زمانہ کی کدورت نے ادب وانشا کے چشمے کو گدلا کر دیا تھا، مگر اس میں کچھ سوتیں پاک وصاف پانی کی بھی موجود تھیں۔ میر، سودا، درد، آتش، غالب، انیس جیسے شاعر بھی اسی اُجڑے ملک میں پیدا ہوئے جنھوں نے زبان کو سنوارا، معانی کی لطافت کو قائم رکھا اور لوح شعر پر حقیقت کے آب و رنگ سے لافانی نقش تحریر کر دیے۔ داخلیت کی قید سے تو ان لوگوں میں انیس کے سوا کوئی آزاد نہیں ہو سکا مگر اسی تنگ دائرے میں انھوں نے قلب انسانی کے جذبات و واردات کی مصوری میں وہ کمال دکھایا کہ آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔ وہ معاشرتی زندگی کی حقیقت سے ناآشنا رہے مگر مشاہدہ نفس اور تہذیب نفس کا حق ادا کر گئے۔

حالی کا نخل طبع دَورِ تنزل کی بنجر زمین میں اُگا مگر اس کی آبیاری میر و درد کے رشحات فیض نے اور اُس کی پرداخت غالب و شیفتہ کے دست شفقت نے کی۔ حالی کی ابتدائی عمر کی غزلوں میں زمانے کا رنگ نظر آتا ہے مگر وہ ستھرا رنگ جو ارباب صفا کے ایک چھوٹے سے حلقے میں محدود تھا۔ ان کی صحت ذوق اور صلاحیت مزاج کا اندازہ اُن نظموں سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے لاہور کے جدید طرز کے مشاعرے کے لئے لکھیں۔ ”برکھارُت“، ”نشاط اُمید“، ”مناظرہ رحم و انصاف“۔ اور ”حب وطن“ جیسی

نظموں کا ایک ایسے شاعر کے قلم سے نکلنا جو ابتدا سے غزل کہنے کا عادی تھا، صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کی طبیعت کی اپج خود ہی رسمی شاعری کی کال کوٹھری سے اکتا گئی تھی اور اپنے لیے ایک وسیع تر اور روشن تر جولاں گاہ ڈھونڈھتی تھی۔

پھر بھی جب تک جوانی کی شوریدہ سری باقی رہی انفرادیت اور داخلیت کی قید سے رہائی نہیں ہوئی کیونکہ جوانی نام ہی اس کا ہے کہ انسان دل کے کونوں کو ٹٹولتا، نفس کی بھول بھلیاں میں بھٹکتا پھرے۔

اس چکر سے نکلنے کے بعد ردِ عمل کا دور آیا۔ چالیس برس کی عمر میں حالی کی طبیعت پر افسردگی اور مایوسی کے بادل چھا گئے۔ ممکن ہے اس میں دنیاوی افکار و آلام کو بھی دخل ہو مگر اصل وجہ یہ ہے کہ حالی کی نظر جسے "خوب سے خوب تر" کی جستجو رہا کرتی تھی اس جگہ پہنچ کر ٹھہری جہاں سے انھیں اپنی گذری ہوئی شاعری نکمی اور بیتی ہوئی عمر اکارت دکھائی دینے لگی۔ اس پر طرہ یہ کہ تلافی کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ دل سوزِ وطن سے آشنا ہو چکا تھا مگر وطن اور اہلِ وطن کی حالت اور بھی زیادہ مایوس کن اور دل شکن تھی۔ جو نا امیدی کے بوجھ سے دبا ہوا وہ رجز خوانی ایک طرف نوحہ خوانی بھی نہیں کر سکتا۔

یکایک اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امید کی روشنی چمکی۔ سرسید احمد خاں نے جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کے سب سے بڑے مدبر تھے ۱۸۶۵ء

کے ہنگامے کے بعد تمدن کے بکھرے ہوئے اجزا کو "قومیت" یا "ملیت" کی تحریک میں سمیٹنے کی کوشش شروع کی۔ سرسیّد کی ذات میں حالی کو وہ رہنما مل گیا، قوم کے تصور میں وہ منزل مقصود اور قومی تعلیم کی تحریک میں وہ راہ عمل نظر آگئی جس کی انھیں تلاش تھی۔ اب کیا تھا اُن کے رُندھے ہوئے دل میں نئے ولولے اُٹھنے لگے۔ بجھی ہوئی طبیعت میں نئی آگ بھڑک اٹھی۔ انھیں ایک مقصد حیات ہاتھ آگیا اور وہ یہ تھا کہ ادب و شعر میں وہی انقلاب پیدا کردیں جو اُن کے مرشد نے تمدن و معاشرت میں برپا کیا تھا۔

اس عزم کا پہلا نتیجہ مسدس مد و جزر اسلام تھا جو سرسیّد کی فرمائش سے ۱۸۷۹ء میں لکھا گیا۔ اس میں شعر حالی کے دوسرے دور کی کُل خصوصیات موجود ہیں۔ انفرادیت کا توڑ تو اس کا موضوع اور مقصد ہی ہے۔ داخلیت سے بچنے کا اس قدر اہتمام ہے کہ بجز دیباچے کے شاعر نے اپنی ذات کو کہیں جھلکنے نہیں دیا۔ تخیل ہر قدم پر مشاہدے کا پابند ہے۔ نظم کا تار و پود صحیح تاریخی حالات اور نفس امری واقعات سے تیار ہوا ہے۔ اسلام کی گذشتہ عظمت کے دکھانے میں جہاں عقیدت تخیل کو ایڑ لگاتی ہے وہاں دیانت اس کی باگیں کھینچے ہوئے ہے جذبات کی شدت کو ضبط نے قابو میں رکھا ہے۔ البتہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کے بیان میں تلخ نوائی سے چارہ نہ تھا۔ یہاں دل کھول کر نشتر ملامت کے کچوکے دیے ہیں خصوصاً شاعروں کی ہجو میں بڑی سختی سے کام لیا ہے شاید اس وجہ سے کہ یہاں ملامت غیر نہیں بلکہ ملامت نفس مقصود تھی۔ اس کے باوجود الفاظ کی سختی سے قطع نظر کر لیجئے تو واقعات کے بیان میں

یہاں بھی اصلیت سے انحراف نہ پایئے گا۔ مبالغہ جو دوسرے شاعروں کی دال روٹی ہے حالی کے یہاں اتنا ہی جتنا کھانے میں نمک اور اسی قدر لطف دیتا ہے۔ شاید آپ کو حکومت وقت کی برکات کے بیان میں بیجا مبالغہ نظر آئے لیکن ان آنکھوں سے دیکھیے جنھوں نے مدتوں کے فتنہ و فساد کے بعد پہلے پہل امن کی صورت دیکھی تو آپ کو بھی وہی دھوکا ہوگا جو حالی کو ہوا۔

بیان کی سادگی اور صفائی زبان کی سلاست و نرمی اور گھلاوٹ حالی کا حصہ ہے اردو زبان کے پودے کو علمیت بگھارنے والے اس ڈھب سے لا رہے تھے کہ اپنی زمین چھوڑ کر عربی فارسی کے تناور درختوں کا طفیلی بن جائے۔ حالی کا یہ احسان بھی کچھ کم نہیں کہ انھوں نے اسے جڑ سے مضبوط کر کے اپنے بل پر پنپنے اور بڑھنے کے قابل کر دیا۔ ہندی کے سہل اور نرم الفاظ جو اردو میں کھپ سکتے تھے، گھریلو محاورے جو بول چال میں رائج تھے مگر تحریر میں نہیں آتے تھے، حالی کے ٹھپے سے نظم و نثر میں چلنے لگے۔ اس زبان کے اختیار کرنے میں ادبی مصلحتوں کے علاوہ جمہوریت اور مساوات کے جذبے کو بھی دخل ہے۔ حالی کا خطاب کسی ایک طبقے سے نہیں بلکہ ساری قوم سے ہے اور قوم کا مفہوم اُن کے ذہن میں اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا جو ان کے ہم عصروں کے ذہن میں تھا۔ حالی کی قوم میں صرف "شرفا" نہیں بلکہ غریب، امیر، چھوٹے بڑے، عالم جاہل، سب داخل ہیں اس لیے انھوں نے اپنے خیالات سیدھے سادے طریقے سے سلیس اور عام فہم زبان میں ادا کیے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

مگر اسے شاعری کا کمال کہیئے یا سچائی کا جادو کہ اسی کھری اور کَرّی نظم میں وہ زور

وہ لطف وہ اثر پیدا ہو گیا جو انسان کے کلام میں بہت کم ہوتا ہے۔ حالی سمجھتے تھے کہ یہ "اُبالی کھچڑی اور بے مرچ سالن، جس میں نہ مبالغے کی چاٹ ہے نہ تکلف کی چاشنی" خوش خوراکوں کے حلق سے نہیں اُترے گا اور انھیں تعجب ہوا کہ "تھوڑی سی مدت میں نظم ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی۔۔۔ لوگ اس کو پڑھ کر بے اختیار روتے ہیں اور آنسو بہاتے ہیں۔ اگر وہ یہ بھی دیکھتے کہ اس کے بعض حصوں کو پڑھ کر اربابِ ذوق پھڑک اُٹھتے ہیں اور وجد کرتے ہیں تو شاید وہ مسکرا کر اپنے اُستاد کا یہ شعر پڑھتے۔

ہم نشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ دوست

واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

مسدس کے بعد حالی نے اسی رنگ میں بہت سی اور نظمیں لکھیں جن کے سیدھے سادے الفاظ میں حقیقت کے دفتر پنہاں ہیں۔ فلسفہ، تاریخ، اخلاق اور معاشرت کے ونکتے بات بات باتوں میں سمجھائے ہیں کہ پڑھ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ مذہب اور تصوف کے مضامین میں جو سچائی اور درد ان کے یہاں ہے وہ اوروں کو نصیب نہیں بات یہ ہے کہ ان کے یہاں معرفت کا ادعا نہیں نارسائی کا اقرار اور طلب کی لگن ہے۔ اس نے ان کے متصوفانہ کلام میں عجز، اُفتادگی اور رقت کی ایک عجیب شان پیدا کر دی ہے۔

۱۸۹۳ء میں حالی نے اپنی قدیم اور جدید غزلوں کا مجموعہ ایک مقدمے کے ساتھ شائع کیا جس میں شعر و شاعری کی حقیقت پر نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز بحث ہے۔ اسی سے اُردو زبان میں علمی تنقید کی

بنیاد ڈالی ورنہ اس سے پہلے تنقید صرف اس کا نام تھا کہ شعر عروض کے کانٹے میں تولا جائے اور ہر لفظ اور ہر محاورے کی سند اُستادوں کے کلام سے طلب کی جائے۔ حالی نے اس مقدمے میں فنِ شعر خصوصاً اُردو شاعری کا وہ دستور العمل مرتب کر دیا ہے جو شعر کہنے والوں اور پڑھنے والوں کے لیے ہمیشہ شمعِ ہدایت کا کام دے گا۔

نثر میں تنقید کے علاوہ سیرت نگاری حالی کا خاص میدان ہے۔ یہاں بھی اُنھوں نے وہی مجددانہ شان دکھائی جس نے شعر اور تنقید کی کایا پلٹ کر دی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں اُنھوں نے "حیاتِ سعدی"، ۱۸۹۷ء میں "یادگارِ غالب" شائع کی، سرسید کی سیرت جو ۱۸۹۳ء میں شروع کی تھی، ۱۹۰۱ء میں "حیاتِ جاوید" کے نام سے چھپوائی۔ انھوں نے سیرت نگاری کا نیا ڈھنگ اختیار کیا جو یورپ میں تھوڑے ہی دن پہلے چلا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جس شخص کی سیرت لکھی جاتی ہے اُس کے ذاتی حالات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کا تعلق اُس زمانے سے کیا تھا جس میں وہ پیدا ہوا، اس کے کام کی کیا قدر و قیمت ہے، کام کا اثر اس کی زندگی پر اور زندگی کا اثر اس کے کام پر کیا پڑا۔ حالی نے یہ تینوں کتابیں خصوصاً حیاتِ جاوید اسی مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی۔

حالی کی نثر بھی اپنے رنگ میں پختگی اور سادگی کی وہی آن رکھتی ہے جو اُن کی نظم میں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عبارت کی سلاست اور روانی کے ساتھ معانی کی صحت اور لہجہ کی متانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ علمی مسائل اور ادبی نکات کو صاف اور سُلجھے ہوئے

فقروں میں اس طرح لکھنا کہ ہلکا پن نہ پیدا ہونے پائے اگر کسی کو آتا ہو تو اُس نے حالی ہی سے سیکھا ہوگا۔

خدا نے حالی کی محنت میں برکت دی۔ ان کی اور ان کے بعد دوسروں کی کوشش سے ملک کا ادبی مذاق بہت کچھ بدلا۔ مصلحانہ شاعری کو حالی کے بعد اکبر اور صفی نے سہارا دیا اور اقبال نے اسے حکمت و الٰہیات کی سیڑھی سے آسمان پر پہنچا دیا۔ شاعری کے دوسرے کوچوں میں یہاں تک کہ غزل میں بھی پہلے سے زیادہ اصلیت وسعت اور بلندی پیدا ہو گئی۔ تنقید ادب میں مولوی عبدالحق نے حالی کی جانشینی کا حق ادا کیا۔ انشا پردازی کی اور راہوں میں بھی جو حالی نے اور اُن کے ہمعصروں نے کھولی تھیں بہت کچھ ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ لیکن یہ تبدیل مذاق ابھی ایک مختصر حلقے میں محدود ہے۔ عام طور پر ملک میں وہی پرانی بدمذاقی چلی جا رہی ہے۔

صحیح ادبی مذاق کی توسیع اگر ہو سکتی ہے تو تلقین سے نہیں بلکہ نمونے سے اور نمونہ اردو ادب میں حالی کی نظم و نثر سے بہتر شاید ہی ہو۔ اس لیئے حالی پبلشنگ ہاؤس کا یہ ارادہ نہایت قابل قدر ہے کہ مولانا حالی کی کل تصانیف جن میں مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سے انمول جواہر ہیں خاص اہتمام سے شائع کر کے وسیع تر حلقے میں پھیلائی جائیں اور اسی ادبی رنگ کی دوسری کتابیں بھی شائع کیجائیں۔

آخر میں اپنی طرف سے اور خواجہ اظہر عباس صاحب مینیجنگ ڈائرکٹر حالی پبلشنگ ہاؤس کی طرف سے ان سب حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنی تقریبات و مقدمات سے مسدس کے اس تاریخی ایڈیشن کو زینت بخشی۔ شعر حالی کے حسن کی چھوٹ ان آئینوں میں اہل نظر کو کچھ اور ہی لطف دیتی ہے۔ ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں۔

سید عابد حسین۔

تقریبات

عکس قطعه دستخطی علامه اقبال بالقابه

آن لالهٔ صحرا که خزان دید و بیفسرد
سید دگر او را نمی از اشک سحر داد

حالی ز نواهای جگرسوز نیاسود
تا لالهٔ شبنم زده را داغ جگر داد

محمد اقبال

۲۴ جون ۳۵ع

لاہور

از جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے
معتمد انجمن ترقی اُردُو

پچاس برس سے زیادہ ہوتے ہیں۔ میرا لڑکپن کا زمانہ تھا۔ میرے ایک ماموں فیروز پور (پنجاب) میں ملازم تھے اور فیروز پور سے قریب ایک گاؤں میں بس گئے تھے۔ یہ گاؤں انہیں کا تھا اور وہاں کے سب سے بڑے آدمی یہی تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کے ختنے کیئے اور اس رسم میں اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کو مدعو کیا۔ یہ جشن بڑی دھوم دھام سے دو تین روز تک رہا۔ دوسرے دن کا ذکر ہے صبح کا وقت تھا، میدان میں بہت بڑا شامیانہ تنا ہوا تھا، اور اُس میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے بلکہ مجمع شامیانے سے باہر دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں زیادہ تر اُس گاؤں اور آس پاس کے گاؤں کے کسان اور مزدُور تھے۔ اتنے میں ایک طوائف اٹھی۔ یہ لاہور سے بلائی گئی تھی۔ نام میں اس وقت بھول گیا ہوں۔ یہ اچھی پڑھی لکھی

عورت تھی، شعر بھی کہتی تھی، اور اُسکی غزلیں لاہور کے اخباروں میں چھپا کرتی تھیں،
اُس نے کھڑے ہو کر مجمع پر ایک نظر ڈالی اور یک بارگی مسدّس (حالی) گانا شروع
کیا
کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

جب تک وہ گاتی رہی، سنّاٹے کا عالم رہا۔ کچھ لوگ جھوم رہے تھے اور کچھ آبدیدہ تھے۔ وہ سماں اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔ اور وہ گانا اب تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔

اب بھی جب کبھی میں مسدس حالی پڑھتا ہوں تو یہ سماں میری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جس نے اِن اَن پڑھ اجڈ گنواروں پر اِس قدر اثر کیا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے۔؟

ہندوستان میں ہر چیز آکر ذات بن جاتی ہے۔ ہماری شاعری کی بھی خاص ذات تھی۔ وہ مخصوص طبقے اور خاص لوگوں کے خیالات کے اظہار کا ذریعہ تھی اور وہی اُس کے نکات سمجھ سکتے اور اُس کا لطف اُٹھا سکتے تھے۔ جو ذات باہر تھے وہ اکثر اِس سے محروم رہتے تھے۔ حالی نے ذات بات کا یہ جھگڑا بالکل اُٹھا دیا اور اُس نے اپنا دردِ دل اُس زبان میں سُنایا جسے اکثر لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اسی لیئے وہ برادری سے خارج کر دیا گیا شعر یا موسیقی ہے کیا؟ یہی نہ کہ ہم الفاظ یا آواز کے ذریعہ سے اپنے جذبات کو

دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور لوگ اُسے پڑھ کر یا سُن کر محظوظ ہوتے ہیں۔ دُکھ سے
دُکھی اور سُکھ سے سُکھی ہوتے ہیں۔ کیا کسانوں اور گنواروں کے دل نہیں ہوتا؟ کیا
اُن میں عشق و محبت کا مادہ نہیں؟ کیا وہ دُکھ درد کا احساس نہیں رکھتے؟ کیا اُن میں
ہمدردی اور ایثار نہیں ہوتا؟ رستم کی داستان یا حاتم طائی کا قصّہ پڑھ کر سنائیے اور
پھر اُن کے جوش اور ہمدردی کو دیکھیے لیلے مجنوں کا ڈراما کیجیے اور پھر دیکھیے کہ اُن کے
دلوں پر کیا گزرتی ہے۔ کیا آپ نے کبھی اُن کے گیت سُنے ہیں؟ کیا چیز ہے جو اُن میں نہیں
ہے۔ شجاعت، عشق و محبت، ہمدردی، عصمت و عِفّت، غیرت، ظرافت سبھی کچھ
ہے۔ پھر کیا وجہ کہ آپ یہی چیزیں بیان کریں اور وہ نہ سمجھیں۔ شرط یہ ہے کہ آپ کی زبان
تکلفات لا یعنی سے پاک ہو۔ اعلیٰ شعر کی خوبی یہ ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ لطف
حاصل کر سکیں۔

مسدس اس کسوٹی پر پورا اُترا، ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ بار بار چھپا اور اتنی بار
چھپا کہ شاید ہی کوئی دوسری کتاب چھپی ہو اور ہر طبقے میں مقبول ہوا۔

اس کی روانی حیرت انگیز ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دریا اُمڈا چلا آرہا ہے۔ شروع
سے آخر تک ایک عجیب تسلسل ہے جس کا تار کہیں نہیں ٹوٹتا اور پڑھنے والے کو ایک
لمحہ کے لیئے بھی کہیں رُکنے کی نوبت نہیں آتی۔ جوش کی وہ فراوانی ہے گویا ایک چشمہ
اُبل رہا ہے۔ باوجود ادبی خوبیوں کے سادگی کا یہ عالم ہے کہ اُس پر ہزار صنائع بدائع

قربان ہیں۔ اور ہزاروں خوبیوں کی ایک خوبی یہ ہی کہ اُس کی بنیاد صداقت پر ہی ادب میں حسن و خوبی کا آخری معیار صداقت یا حقیقت ہی۔

ہماری شاعری میں مسدس نظم کی ایک ایسی قسم ہی جس کا نبھانا آسان نہیں بڑے اچھے اچھے مشاق شاعر بھی رہ جاتے ہیں اور بھرتی کے مصرعوں سے چول بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انیس سا باکمال شاعر بھی مسدس جن کی ملک ہو گئی ہی، بھرتی کے بے ربط مصرعے داخل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہی لیکن حالی کا یہ کمال ہی کہ سارے مسدس میں مصرع تو کیا ایک لفظ بھی بھرتی کا نظر نہیں آتا اور ہر مصرع دوسرے سے ایسا گتھا ہوا ہی کہ چھیوں مصرعے ایک جان اور ایک ذات ہو گئے ہیں۔

ظاہر سے قطع نظر کرکے باطن کو دیکھیے تو ایسی پُرجوش، ایسی عبرت انگیز اور سبق آموز اور دلوں کو اُبھارنے اور غیرت دلانے والی نظم ہماری کسی زبان میں نہیں مدوجزر اس کا بہت ہی صحیح نام ہی۔ شعر کی نسبت جو یہ کہا گیا ہی کہ اُسے حقیقت یعنی زندگی اور واقعات زندگی سے وابستہ ہونا چاہیئے وہ اس پر پوری طرح صادق آتا ہی۔ یہ مسدس ہماری قومی زندگی کا کامل مرقع ہی جس میں ہمارے خط و خال صاف صاف نظر آتے ہیں۔ پھر حسن بیان نے اُسے معراج کمال تک پہنچا دیا ہی۔ جہاں اس میں اخوت، ہمدردی، اتفاق، خودداری، حب وطن، جفاکشی، بے تعصبی وغیرہ سبق دیتے ہیں وہاں تیز نشتر بھی ہیں جو جگر کے پار ہو جاتے ہیں لیکن نشتر غمگسار

سرچن کے ہیں نہ کہ بیدرد بداندیش کے۔

مسدس حالی زندہ جاوید کتابوں میں سے ہے۔ اس کی درد بھری آواز ہمیشہ دلوں کو تڑپاتی رہے گی اور اس کے دردمندانہ اقوال دلوں میں گھر کیے بغیر نہ رہیں گے۔ ادب کے رسیا اس سے ادبیت کے گر سیکھیں گے اور اخلاق کے بندے اس میں وہ بے بہا جواہر پائیں گے جن سے دوسری کانیں خالی ہیں۔

از نواب مسعود جنگ بہادر سیّد سر راس مسعود وزیر بھوپال

خواجہ الطاف حسین حالیؔ اُن چند بزرگوں میں سے ہیں جن کا اثر میرے قلب و دماغ کے ہر رگ و ریشے نے قبول کیا ہے جب کبھی اُن کا خیال آتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے دو تصویریں پھر جاتی ہیں جن کا تعلق میرے بچپن کے زمانے سے ہے۔ ایک تصویر جو دکھائی دیتی ہے یہ ہے کہ علی گڑھ میں جون کا مہینہ ہے اور ہمارے غریب خانے میں خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی ہیں اور اس نیم تاریکی میں جہاں خس کی خوشبو کے ساتھ تمباکو کی خوشبو بھی ملی ہوئی ہے مولانا مرحوم اور میرے والد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور شعر و شاعری پر گھنٹوں سے گفتگو ہو رہی ہے۔ مولانا شرافت کی مجسم تصویر بنے ہوئے ہیں۔ ہر ادا سے بلند خیالی اور میرے والد کے ساتھ سچی محبت ٹپکتی ہے۔ دونوں گفتگو میں اس قدر غرق ہیں گویا اس دنیا کو چھوڑ کر کسی اور دنیا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

دوسری تصویر جو میری آنکھوں کے سامنے آتی ہی وہ یہ ہی کہ رات کا وقت ہی کھانے کی میز لگی ہوئی ہی۔ ایک سرے پر میرے دادا مرحوم بیٹھے ہوئے ہیں اور اُن کی داہنی جانب مولانا الطاف حسین مرحوم اور بائیں طرف میرے والد قومی معاملات پر پُر جوش گفتگو ہو رہی ہی۔ چند لمحوں کے لیے باتیں بند ہوتی ہیں اور میرے والد کے مُنھ سے یہ فقرہ نکلتا ہی: "ابا جانی! اگر خدا مجھ سے کبھی یہ سوال کرے کہ میرے جتنے بندوں سے تو ملا ہی، اُن میں سے کون ایسا ہی جس کی پرستش کرنے کے لیئے تیرا دل تیار ہو جائے تو میرے پاس جواب حاضر ہی اور وہ یہ ہی کہ وہ شخص الطاف حسین حالی ہی۔" میں دُور کھڑا ہوا اس فقرے کو سُنتا ہوں اور مجھ کو اکیلا کھڑا ہوا دیکھ کر میرے والد اشارہ کرتے ہیں کہ اُن کے قریب آؤں اور پھر حکم دیتے ہیں کہ "جا الطاف حسین صاحب کے پاس کھڑا ہو جا!" میں اس حکم کو بجا لاتا ہوں الطاف حسین صاحب کمال شفقت سے مجھے سینے سے لگاتے اور پیار کرتے ہیں اس وقت میری عمر سات سال کی ہی۔ اس کے بعد میں زنانے میں اپنی والدہ کے پاس جاتا ہوں اور اُن سے پوچھتا ہوں کہ "یہ کون صاحب ہیں جن کی پرستش کرنے کے لیئے میرے والد صاحب تیار ہیں اور جنھوں نے مجھے پیار کیا ہی" اس سوال کا جو جواب مجھے ملتا ہی اُس سے پہلی دفعہ مولانا مرحوم کی عظمت کا بیج میرے دل میں بویا جاتا ہی اور جب کبھی میں اُن کو دیکھتا ہوں تو اپنے دل میں کہتا ہوں کہ یہ انسان نہیں فرشتہ ہیں باوجود

اس کے کہ اب میری عمر تقریباً بچاپس سال کی ہوگئی ہی۔ میرے دل میں وہی عظمت ان کی ہی اور وہی محبت ان سے قائم ہی جو بچپن میں تھی۔

میرا عقیدہ ہی کہ اگر مولانا حالی مرحوم وہ بیش بہا ادبی خدمت اردو کی نہ کرتے جو اُنھوں نے کی، تو جہاں تک ہماری شاعری کا تعلق ہی وہ ختم ہوجاتی اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہ ہوتی جس کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہم یورپ کی شاعری کا مقابلہ کر سکتے۔ مسدس ہی میں چند بند ایسے ہیں جن سے بہتر یورپ کی کسی قوم کے ادب میں آج تک کوئی چیز نہیں لکھی گئی۔ میرا اشارہ اُس حصے کی طرف ہی جہاں بغداد کے عروج کو بیان کرکے اُس کا زوال دکھایا گیا ہی۔ جب تک کہ اس دنیا میں ہماری مادری زبان رائج ہی، الطاف حسین حالی کا نام مٹ نہیں سکتا اور نہ اُس اثر میں کمی واقع ہوسکتی ہی جو اُن کے ذریعے سے ہمارے ادب پر پڑا ہی۔ مولٰنا مرحوم کی نثر بھی لاجواب ہی اور نظم بھی دونوں میں وہ سادگی پائی جاتی ہی جو ہمیشہ سچے جذبات کی بہترین نشانی ہی۔

مجھے اُس دن کا بچپنی سے انتظار ہی جب مولٰنا کی تصانیف کا ایک نہایت نفیس اڈیشن شائع کیا جائے کیونکہ ایک ایسے اڈیشن کی عدم موجودگی ہر صاحب ذوق بے حد محسوس کر رہا ہی۔

✱

از نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس حبیب گنج

ہندوستان میں مسلمانوں کا دورِ جدید جن اسبابِ انقلاب کا منت پذیر ہے ان میں مسدس حالی بھی ہے۔ مجھ کو وہ وقت خوب یاد ہے جب یہ مشہور مسدس پہلی بار شائع ہوا تھا مدح و ذم کا ایک طوفان اُٹھا۔ مدّاحین میں مرحوم سرسیّد بھی تھے۔ اُنھوں نے مدح اس بلند آہنگی سے کی۔ "قیامت میں جب خدا تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ ہمارے واسطے کیا لایا تو میں کہوں گا مسدس حالی" مخالف دو گروہ تھے۔ ایک قدامت کے شیدائی جن میں مذہبی خیال والے بھی شامل تھے۔ دوسرے لکیر کے فقیر شعرا۔ مسدس میں جس بیباکی سے ہمعصر مذہبی و معاشرتی طبقات پر جرح کی گئی تھی اس نے احساس مخالفت کو مشتعل کر دیا تھا خصوصاً مذہبی احساس کو۔ شعرا کو شکوہ تھا کہ مسدس کے قوافی وغیرہ میں ناموس شاعری کی اہانت کی گئی ہے۔ مخالفت کے لیے جب نثر کا میدان تنگ ہو گیا تو نظم کی باری آئی۔ مسدس کے جواب میں متعدد مسدس لکھے گئے جن میں

ایک "مسدس خالی" بھی تھا۔

جہاں یہ سب کچھ ہوتا رہا وہاں حالی کا اخلاص بھی اپنا کام کرتا رہا بہت سے بند دلوں پر نقش ہو گئے، زبانوں پر چڑھ گئے، لوگ ان بندوں کو پڑھتے تھے اور سر دھنتے تھے. خصوصاً عروج و زوال مسلم کے بند یا وہ بند جن میں اندلس کا نوحہ ہے۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اندلس سے یہاں کے مسلمان اسی جادو اثر کلام کی بدولت واقف ہوئے۔

ایک "جنٹلمین"، جو شاید ہی کبھی شعر پڑھتے ہوں مسدس کے یہ بند ترنم سے پڑھتے تھے اور جھومتے تھے۔

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے　　　حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے

کچھ ہی زمانہ گزرا کہ مخالفت کی آندھی چھٹ گئی۔ اہل نظر نے دیکھا کہ مسدس اپنی جگہ پر ہے۔ ہوا صاف ہونے پر اُس کی مقبولیت بڑھی ان دلوں پر چھا گئی جو حالی کا تصور بھی شاید داخل معصیت سمجھتے ہوں۔ ذکر مبارک کی مجلسوں میں مشائخ و علما کو نعتیہ بندوں پر وجد کرتے دیکھا ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

اردو میں ایسا دلوں کو گرمانے والا نعتیہ کلام زیادہ نہیں ملے گا۔

خوبیوں کے ساتھ مسدس میں کمزوریاں بھی ہیں، خصوصاً جہاں سر سیّد کے

وقتی خیالات کا اثر گہرا ہی۔

اس پر بھی اُس کی جگہ بزم ادب میں محفوظ ہی۔ مقبولیت کا ایک ثبوت وہ اہتمام ہی جو مسدس کے عمدہ ایڈیشن شائع کرنے کا ملک میں برابر ہوتا رہا ہی۔ جہاں تک میرا علم ہی سب سے اوّل سرعبدالقادر مرحوم نے ایک چھوٹی تقطیع کا ایڈیشن مطبع نامی کی مسلمہ خوبیوں کے ساتھ شائع کیا تھا۔ دوسرا ایڈیشن حال ہی میں لاہور سے شائع ہوا ہی۔

یہ جو کچھ ہو رہا تھا دارالسلطنتہ سے باہر ہو رہا تھا۔ اب خود دارالسلطنتہ قدر دانی پر آمادہ ہی جہاں کا "عجائب گھر" سالہا سال سے مشہور ہی وہاں کا "کتاب گھر" ایک اعلیٰ ایڈیشن نکالنے کا بندوبست کر رہا ہی۔

اس اہتمام کا گہرا ہوا پہلو یہ ہی کہ شیروانی ساہیچداں پیش لفظ لکھنے پر مامور ہوا۔ اپنی بے مائگی میں دو خیال گرانمایہ بھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ناداری نے کبھی کبھی شال میں ٹاٹ کا پیوند بھی لگوا دیا ہی۔ اور سچ پوچھو تو اب بیچاری شال اس کو ترستی ہی کہ کاش اُس کو ٹاٹ (کرمچ) ہی کی جگہ مل جاتی۔

دوسرا خیال یہ ہی کہ خواجہ حالی مرحوم کی جو شفقت خاکسار کے حال پر تھی اُس کا کچھ شکر ادا ہو سکے۔

خدا تعالیٰ ناشرین کی سعی مشکور اور صاحب جمال حالی کو ماجور و مغفور فرمائے۔ آمین

*

از جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے
دریا بادی مدیر صدق

"مسدس" ۱۹۳۵ء میں

وہ شعرا و رقصائد کا ناپاک دفتر عفونت میں سنڈاس سے ہے جو بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر ملک جس سے شرماتے ہیں آسمان پر

اکبر و اقبال کے دور سے قبل، اپنے شعر و تغزل کے وصف، آپ نے شاعر ہی کی زبان سے سن لئے؟ اپنی دو قرن قبل والی شاعری کا عکس آپ نے خود شاعر ہی کے آئینہ میں دیکھ لیا؟ ...... کیا اب اس کی بھی حاجت ہے کہ اس ناپاک دفتر، کے کچھ اوراق، بطور نمونہ، آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں؟ گویا دن دوپہر کی کڑی دھوپ کے وقت اس کی بھی حاجت ہوتی ہے کہ پہلے صغریٰ و کبریٰ قائم ہولیں اور انتاج مقدمات کی باضابطہ شکل مرتب ہولے، جب جاکر آفتاب کے روشن ہونے کا یقین آئے؟

بات اتنی صاف اور کھلی ہوئی، حقیقت اتنی روشن و وضح لیکن آج سے ۵۰،
۶۰ سال اُدھر، جب پہلی بار حالی کی زبان سے نکلی، تو بس اک آگ سی لگ گئی، اور
آگ بھی کہاں؟ راون کی لنکا میں! عفریتوں اور راکششوں سے بھری اور پٹی پڑی
ہوئی لنکا میں! بڑے بڑے پہلیتن، یلغار کرکے، ٹوٹ پڑے۔ جواب کے لیئے تردید
کے لیئے، تضحیک کے لیئے کوئی صاحب 'حال' کے جواب میں 'قال' لے کر قالی
بن کر آئے، کسی صاحب نے معنی سے تہیدست ہوکر، صرف لفظی بلکہ حرفی مناسبت
سے 'خالی' کا چہرہ لگا لیا، اور کسی نے 'خیالی' کا روپ بھرا، اور پنچ اخبارات کی تو پوچھیئے
ان بیچاروں کا تو آ ذوقہ کھُل گیا۔ 'حالی کا حال' اور 'میدان پانی پت کی طرح پامال' یہ
اُن کی تک بندیوں کا جال، اور اُن کی مسخرگی کا کمال! —— دوسروں کو بنانے سے
پیشتر، مسخرے خود ہی بن کر رہے!۔

آج یہ سارے 'جوابات' کہاں ہیں؟ اُن اخبارات کی پرانی فائلیں بھی کہیں
ملتی ہیں؟ اُس ساری دھوم دھامی کڑک گرج کا کہیں نام و نشان بھی باقی ہے؟
هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ رِكْزًا؟ تھیئٹر کے چونی ٹکٹ والوں کی تالیاں اور بازاری پھبتیاں
مدت ہوئی ختم ہو چکیں —— اور اُن کے مقابلہ میں 'مسدس'؟ کیا یہ کہنے کی، یہ بتانے
کی حاجت ہے کہ اب تک کتنے ایڈیشن پر ایڈیشن اس کے نکل چکے، کتنی محفلوں میں بند
اس کے پڑھے جا چکے، وعظ کی کتنی مجلسوں کو یہ گرما چکا، کتنے ادبی امتحانوں کے نصاب

میں داخل یہ ہو چکا، کتنے بوڑھوں کی، جوانوں کی، لڑکوں کی زندگی میں انقلابی اثر پیدا یہ کر چکا، کتنوں کو رُلا کر یہ رہا، کتنوں کے دل اس نے بڑھائے، غرض مقبولیت کے، مرجعیت کے، جتنے بھی معیار ہو سکتے ہیں سب کے لحاظ سے آج اسے دیکھ لیجیے، جانچ لیجیے، پرکھ لیجیے! — بھلا ایک صاحبِ حال عارف کہیں آہ و زاری کے ساتھ، گرم گرم آنسوؤں کے ساتھ، ٹھنڈی ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ مناجات میں مصروف ہو، اور شہر کے کچھ بھانڈ اور مسخرے آ آ کر لگیں تھرکنے، تالیاں بجانے، ڈھول پیٹنے تو اس سارے سوانگ سے اُس اللہ والے کی مقبولیت میں کچھ بھی فرق آئے گا؟

. . . .

تقریب کا عنوان آپ کہیں گے، کہ 'مسدس حالی' کیوں نہ رکھا، ادھورا یعنی صرف 'مسدس' کیوں رکھا؟ عرض کروں گا، کہ مطلق 'مسدس' سے کیا کوئی دوسرا مسدس بھی مراد ہو سکتا ہے؟ محض مسدس بولنے سے کیا ذہن کسی دوسرے مسدس کی طرف بھی منتقل ہوتا ہے؟ کسی اور مسدس کا التباس ہوتا ہے؟ — 'مثنوی' مطلق بولنے سے اگر ذہن صرف مثنوی مولانائے روم ہی کی جانب جاتا ہے، تو مطلق 'مسدس' کے لفظ سے بجز 'مسدس حالی' کے اور کچھ کوئی کیوں سمجھنے لگا؟ کسی اور کا دھوکا کسی کو کیوں ہونے لگا؟ کوئی دوسرا 'مسدس' فرط شہرت سے، فرط مقبولیت سے، ذہنوں کے سامنے ہی کب؟

خیر یہ تو ایک لفظی سی گفتگو چھڑ گئی، اصل سوال یہ ہی کہ اس آن کا اور اس شان کا اس جمال کا اور اس کمال کا، اُردو میں کوئی اور مسدّس ہی تھی؟ جب اپنے 'آج' کی پستیاں دکھانے پر آتا ہی تو دیکھیے، کیسے کیسے پردے کھول کر رکھ دیتا ہی ؎

کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہی　　کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہی
چرس اور گانجے پہ شیدا ہی کوئی　　مدک اور چانڈو کا رسیا ہی کوئی
نہ گالی سے دشنام سے جی چرائیں　　نہ جوتی سے پیزار سے ہچکچائیں
جو میلوں میں جائیں تو بچپن دکھائیں　　جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اُٹھائیں
لرزتے ہیں اوباش اُن کی ہنسی سے　　گریزاں ہیں رنداُن کی ہمسائگی سے

اور جب اپنے گزرے ہوئے 'کل' کی بلندیوں کی تاریخ سنانے لگتا ہی، تو اکدم ناصح ملامت گر سے شاعر رجز خواں بن جاتا ہی ؎

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحٰے کے اُٹھی　　پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دُور دُور اُس کی پہونچی　　جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اُس سے محروم آبی نہ خاکی　　ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں　　مہیا کیئے سب کی راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں　　اُنھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے　　یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

خامیوں سے کون بشری تالیف آج تک بچ سکی ہے؟ کون آئندہ بچ سکے گی؟ نکتہ چینی پر کوئی آجائے، تو عیب کہاں نہیں نکل سکتا؟ تو اس معیار کو تو خیر جانے ہی دیجئے حق و انصاف کی طرف آیئے تو خدا لگتی بات یہ ہے، کہ مسدس اپنا کام مدت ہوئی کر چکا احساس کی بیداری جو اُس کا مقصد تھا، اُس میں وہ مدتیں گزریں، کامیاب ہو چکا، اکبر اور پھر اقبال جیسے سعید جانشین پیدا کر چکا۔ اس کے بعد مٹ گیا ہوتا۔ دُنیا سے بھول گئی ہوتی، جب بھی یہ اُس کی منقصت نہ تھی، عین فطرت کا تقاضا ہوتا۔ ضرورتِ دعوت پوری ہو چکنے کے بعد داعی کو باقی رکھنا، سنتِ الٰہیہ میں داخل ہی کہاں ہے؟...... لیکن جب کوئی اپنی بخششوں کو بغیر حساب اور بغیر شمار لٹانے والا محض فضل اور محض انعام پر آجائے تو کیا کوئی اُس کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے؟ جس کو جتنی چاہئے دولت حیات سے سرفراز کر دے۔!۔

اور پھر وہ جو رسول کی زبان سے توحید کی منادی کرنے پر آجائے تو یوں غلغلہ ڈال دے ؎

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق　　اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
....　　نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

جہاں دار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں — نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا

....

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ — اسی طرح ہیں بھی ہوں اک اس کا بندہ
بنانا نہ تربت کو میری صنم تم — نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم — کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بڑائی — کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

اور نعت گوئی کی جب چھیڑے تو منہ کے بول یوں زمزمے بن بن کر نکلنے لگیں ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دعائے خلیل اور نوید مسیحا
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

....

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اور پھر دربار رسالت میں فریاد و استغاثہ کرے تو سننے والوں کے دل ہل ہل کر رہیں ؎

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اے چشمۂ رحمت بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ — دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے
جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا — جب تو نے کیا نیک سلوک اُن سے کیا ہے
برتاؤ ترے جب کہ یہ اعدا سے ہیں اپنے — اعدا سے غلاموں کو کچھ امید سوا ہے
کر حق سے دعا امتِ مرحوم کے حق میں — خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہے
امت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن — دلدادہ ترا ایک سے اک اُن میں سوا ہے
جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف — اب تک وہی قبلہ تری اُمت کا رہا ہے
جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت — کعبہ سے کشش اُس کی ہر اک دل میں سوا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمہارے — نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے
گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ تجھ پہ زیادہ — اخبار میں اَلطَّالِحُ لِی ہم نے سُنا ہے
تدبیر سنبھلنے کی نہیں کوئی ہمارے — ہاں ایک دعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے
خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزت کے ہیں خواہاں — پر فکر ترے دین کی عزت کی سوا ہے
گر دین کو جوکھوں نہیں ذلت سے ہماری — امت تری ہر حال میں راضی برضا ہے

زندگی اس کلام کو بھی نصیب نہ ہوگی، تو اور کس کو ہوگی؟ حق یہی ہے، کہ اس کی عمر بڑھے، اور خوب بڑھے، اور ہم جیسے حشرات الارض قسم کے فانیوں کے تخیل سے، اندازے سے، نہیں بڑھ کر رہے!

مقدمات

از جناب مولانا سیّد سلیمان صاحب ندوی
ناظم دار المصنفین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُسدّس حالی

مسدس کی قبولیت پچھلے پچاس ساٹھ برس میں ہماری زبان کی نظم و نثر میں جو کتابیں لکھی گئیں، اُن میں قبول عام اور حیات دوام، اگر کسی کو نصیب ہوئی، تو وہ مولانا حالی کا مسدس ہی ہے، یہ ۱۲۹۲ھ میں یعنی آج سے اُنسٹھ برس پہلے لکھا گیا تھا، اس عرصہ میں اس کے جتنے اڈیشن نکلے شاید ہی کسی دوسری کتاب کے نکلے ہوں گے ان میں عام اور سستے بازاری نسخے بھی تھے، اور نامی پریس اور تاج کے پُرتکلف اڈیشن بھی۔

قبول عام کا حال یہ کہ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اور جاہلوں سے لیکر عالمو

اور واعظوں تک کی زبانوں پر اس کے بند چڑھے ہوئے ہیں۔ مکتبوں میں یہ پڑھایا جاتا ہے، اسکولوں میں اس کے انتخابات داخل ہیں، میلاد کی مجلسوں میں یہ گایا جاتا ہے اور وعظ کی محفلوں میں اس سے گرمی پیدا کی جاتی ہے۔ خیر آج تو اس پر اتنا زمانہ گزر چکا ہے، اس لیئے اس قبول عام پر تعجب نہیں آتا، لیکن اس کے چھپنے کے چند ہی برس بعد جب مصنف نے ۱۳۰۳ھ میں اس کا ضمیمہ لکھا ہے، اس قبولیت و شہرت پر تعجب کیا ہے۔ اس چھ برس کے عرصہ میں اس کے سات آٹھ اڈیشن نکل چکے تھے، اور اب تو اُن کا شمار دہائیوں سے آگے نکل چکا ہے

مسدس کی قبولیت کے موانع | مسدس کی اس قبولیت پر تعجب اس لیے آتا ہے کہ شاعر کی طرف سے جیسا کہ خود اُس نے کہا ہے مذہبی حلقوں میں کافی بدگمانی تھی۔ مسدس میں بے عمل اور جامد علما کی دھجیاں بکھیری گئی تھیں، جھوٹے پیروں اور مشائخوں کی بُرائیاں بتائی گئی تھیں، عیش پرست اور نکمے امیروں کا خاکہ اُڑایا گیا تھا، جھوٹے خوشامدی شاعروں کی ہجو کی گئی تھی، عام مسلمانوں کے مشرکوں جیسے خیالات کو بُرا کہہ کر اُن کے دل دُکھائے گئے تھے۔ غرض قوم کا وہ کونسا طبقہ تھا جس کے لیے حالی کے یہ دلدوز طعنے دل پسند ہو سکتے تھے، چنانچہ اس مسدس کا نکلنا تھا کہ مذہبی شاعروں نے اس کا جواب لکھا، ادبی شاعروں نے اس کی زبان اور شاعری پر لے دے کی، کافروں نے اس کے بعض مضامین کی بنا پر فتوے مرتب کیئے، عام مسلمانوں نے اس کے چبھتے ہوئے

نشتروں پر شور و غل کیا، مگر یا د مخالف کے یہ جھونکے سچائی کے اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے۔ سچی بات دل میں اُترتی چلی گئی، اور اُس کی تاثیر رگ رگ میں پھیلتی گئی۔ کل جو نفریں کرتے تھے وہ تحسین کرنے لگے، جو اسلام کے لیے اس کو بھی زہر قاتل کہتے تھے، وہ آب حیات کہنے لگے۔ غور کے قابل یہ بات ہی کہ مسدس کی اس مقبولیت اور پسندیدگی کا راز کیا ہی۔

اسباب تنزل کی پردہ کشائی | سب سے پہلی بات یہ ہی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کو دفعۃً اپنی حالت دگرگوں نظر آنے لگی۔ جو کل بادشاہ تھے وہ آج فقیر ہو گئے، جو کل الوان نعمت کے مالک تھے، وہ نان شبینہ کے محتاج ہو گئے، جو کل محلوں اور ایوانوں میں رہتے تھے، وہ جھونپڑوں سے بھی محروم ہو گئے، کل جن کا سب کچھ تھا آج اُن کا کچھ نہ رہا۔ یہ واقعہ تھا مگر اس واقعہ کے اسباب عام طور سے معلوم نہ تھے قاعدہ ہی کہ جب کسی کے گھر میں کوئی موت ہو جاتی ہی تو تعزیت کے لیے جو آتے ہیں اُن کا سب سے پہلے یہ سوال ہوتا ہی، کہ یہ حادثہ کیسے ہوا، کیا بیماری ہوئی، کیا صورت پیش آئی۔ میت کے عزیزوں اور تیمارداروں کو بھی تسکین اسی میں ہوتی ہی، کہ مرنے والے کی بیماری، نزع اور موت کے ایک ایک واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ سنائیں یہ مسدس اُس قوم کے جو ابھی ابھی مری تھی، اسی قسم کے واقعات کی تفصیل و تشریح تھی اور تعزیت کرنے والوں کے اس سوال کا کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔ ایک مبسوط

جواب تھا۔

مرنے والا تو مرچکا ہوتا ہے، مگر لوگوں کو اس کی موت کے پورے اسباب کا علم جب تک نہیں ہو لیتا اُن کا تعجب زائل نہیں ہوتا۔ اور جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ ایسے اسباب جمع تھے جن کے ساتھ موت کا طبعی طور سے واقع ہو جانا یقینی تھا، تو اُن کا تعجب زائل ہو جاتا ہے، اور طبعی اسباب کے سامنے مجبوری کا احساس اُن میں تسکین پیدا کر دیتا ہے۔

مسدس میں شاعر نے اس عظیم الشان قوم کے حادثۂ موت کے اسباب اس تفصیل سے بیان کیے تھے جن کو سن کر اُن بے خبروں کو جن کو دفعتہً ۱۸۵۷ء کے حادثۂ خونیں کے وقت ہی سب سے پہلے اس موت کا حال معلوم ہوا، اس حسرتناک انجام پر سخت حیرت تھی۔ شاعر نے موت کے طبعی اسباب سنا کر اُن کی حیرت کو دور کیا، اور بتایا کہ ان اسباب کے موجود ہوتے ہوئے موت نہیں زندگی تعجب انگیز تھی۔

ماتم | بغداد کی تباہی پر سعدی نے ماتم کیا، اور ابن ابی الیسر نے خون کے آنسو روئے، اور اندلس مرحوم کی بربادی پر ابن بدرون نے اپنا دلدوز نوحہ سنایا لیکن افسوس کہ ہندوستان کے انقلاب پر چوبیس برس گذرنے کے بعد بھی کسی کو آنسو کے قطرے گرانے کی توفیق نہیں ملی۔ دل بھرے تھے آنکھیں رونے کو اور ہات سینہ کوبی کو تیار تھے۔ مسدس نے مرثیہ کا کام کیا، اور لوگ اس کو پڑھ پڑھ کر دل کھول کر روئے

7/11/88

ایک دردبھری داستان تھی جس کو جس نے سنا بیتاب ہوگیا۔

قومی تاریخ | مسدس میں قوم کی غیرتی رگ کو حرکت میں لانے کے لیئے اسلام اور مسلمانوں کی قومی تاریخ کے پُرفخر کارناموں کو شاید سب سے پہلی دفعہ اس طرز و اسلوب سے اس ملک میں بیان کیا گیا تھا، رونے کی تسکین کے ساتھ اس کتاب میں مسلمانوں کے فخر و غرور کا سامان بھی تھا۔ اس نشہ نے بھی لوگوں کو اس مسدس کے پڑھنے کا چسکا لگایا۔ عرب کی حالت، رحمت عالم کی بعثت، قرآن کی تاثیر، اسلام کا شکوہ، فتوحات کی وسعت، علوم وفنون کی ترقی، علماء اور حکماء کا کمال، تعمیر بلاد، سیر و سیاحت، اور بغداد و اندلس کے قابل فخر آثار، اس خوبصورتی اور خوبی کے ساتھ اس میں نظم کیئے گئے تھے کہ مسلمانوں کو فقیری میں بادشاہی کا مزہ آگیا، اُن کے جھکے ہوئے سر غرور سے اونچے ہونے لگے، اور گذشتہ دورِ عظمت کی کہانی اس پستی اور تنزل میں اُن کو تسکین و تسلی کا سرمایہ معلوم ہونے لگی۔

"عرب، ہند، مصر، اندلس، شام و دیلم" ہر جگہ کی کہانی مسدس کی زبانی مسلمانوں نے سنی، اور اس سینما میں اُن کو بغداد کا حریم خلافت۔ اندلس کا بیت حمراء، غرناطہ کی شوکت، بلنسیہ کی عظمت، اشبیلیہ کے محراب و در، اور قرطبہ کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر، سنجار اور کوفے کے میدان اور سمرقند، مراغہ اور قاسیون کے رصد خانے سب نظر آنے لگے، پڑھنے والے پر عجب کیفیت طاری ہوتی، کبھی روتا اور کبھی ہنستا، اور

ان دونوں کیفیتوں سے ہر گھڑی دل میں نئی لذت پاتا۔

ترقی کی تدبیر | غم اور فخر کے سرمایہ کے ساتھ اس عجیب و غریب کتاب میں موجودہ حالت کا احساس پیدا کر کے آئندہ کی فکر کا سامان بھی تھا۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے عیوب اور کمزوریوں کا راز فاش کر کے اس کے سامنے اپنی حالت کے سدھارنے کا خاکہ بھی کھینچا گیا تھا، احساس کے نشتر سے زخم کے فاسد مادّوں کے نکالنے کے بعد اُن کی مرہم پٹی بھی کی گئی تھی، اس لیے مسلمانوں میں اس کے ذریعہ جس کو تنزل کا احساس ہوا ترقی کی فکر بھی پیدا ہوئی۔

قوم کا آئینہ | غرض مسدّس قوم کی تیرہ سو برس کی حالت و کیفیت کا ایک آئینہ تھا، جس میں اُس کے چہرہ کا ایک ایک خط و خال نمایاں تھا۔ اُس کی پیدائش، اُس کا نمو، اُس کی جوانی، اُس کا بڑھاپا، اُس کی بیماری، اُس کے عوارض، اُس کی کمزوری ہر چیز اس میں نظر آ رہی تھی، اس لیے ہر مسلمان کو جس میں ذرا بھی حس تھی، اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے کا شوق تھا۔

مسدس کی نظم | اُس شاعری میں جو صرف تفریح طبع کا سامان رہ گئی تھی، اور جس میں گل و بلبل کی حکایت، حسن و عشق کی روایت اور رقیب سیہ رو اور فلک پیر کی شکایت کے سوا کچھ اور نہ تھا، شاعر نے اپنی مسیحا نفسی سے ایک عظیم الشان قومی انقلاب کی تاثیر کی روح پھونک دی۔ لفظ سیدھے سادھے، ترکیبیں بے تکلف، معنی مبالغہ سے خالی

مصرع تشبیہ و استعارہ سے پاک، مگر ہر شعر جوشِ بیان سے لبریز، وفورِ احساس سے معمور، اور درد و غم سے بھرا ہوا۔

اس نظم کے لیے نکتہ شناس شاعر نے مسدس کا رنگ اختیار کیا۔ مسدس اُس زمانہ میں واسوخت کے لیے پھر اہلبیت کرام کے دلدوز مصائب اور شہیدِ کربلا کے دلفگار سوانح کے بیان کے لیے ایک گونہ مخصوص ہو کر غم و الم کی داستاں سرائی کے لیے خاص ہو چکا تھا۔ اس لیے شاعر کو جب اپنی قوم کے زہرہ گداز ماتم کا خیال آیا، تو اس مسدس سے زیادہ موزوں اور بہتر نظم کی کوئی صنف نظر نہیں آئی، جس کا وزن ہی گویا درد و غم اور نالہ و ماتم کی لَے بن چکا تھا۔

دوسری بات یہ تھی کہ اس نظم کے پُر اثر ہونے کے لیے ضرورت تھی کہ اس کے ہر ٹکڑے میں قابلِ بیان واقعہ ادا ہو جائے، مثنوی اس کے لیے موزوں نہ تھی، کہ اول تو وہ رزم و بزم کی حکایت کے لیے خاص ہو چکی تھی، اور پھر اُس میں اتنی سمائی نہیں ہو سکتی تھی کہ اُس کے ایک ایک شعر میں تاریخ و سیر کا ایک ایک واقعہ ادا ہو جاتا۔ مسدس کی یہ صورت ہے کہ اس کا ایک ایک بند گویا کتاب کا ایک ایک مختصر باب یا تحریر کا ایک ایک پیراگراف ہوتا ہے، جس میں ایک ایک واقعہ الگ الگ ادا ہوتا جاتا ہے، نظم کی رفتار پہلے مصرع میں تمہید، دوسرے تیسرے اور چوتھے مصرعوں میں واقعہ کی تفصیل اور پانچویں اور چھٹے میں نتیجہ کی تاثیر بنتی جاتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ کہاں سے چیز شروع ہوئی کہاں تک

اوپر چڑھی، اور پھر کہاں سے نیچے اُتری۔ ہر نئے بند کے شروع اور خاتمہ پر سامع کا نفس تبدیل ذائقہ اور تجدید احساس کے لیے مستعد اور تیار رہتا ہے۔

اس سادگی اور بے تکلفی کے باوجود مسدس کی نظم میں ایسی سلاست، روانی اور برجستگی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاف و شفاف نہر کسی ہموار ترائی میں آہستگی سے بہتی چلی جا رہی ہے۔ نہ کہیں رکاوٹ ہے، نہ لفظ میں گرانی ہے نہ قافیہ کی تنگی ہے، زبان میں گھلاوٹ، بیان میں حلاوت، لفظوں میں فصاحت اور ترکیبوں میں لطافت ہے، ہماری زبان میں سہل ممتنع کی یہ بہترین مثال ہے۔

شاعر کی طبیعت | شاعر کی طبیعت نہایت گداز تھی، وہ ازل سے دردمند دل لے کر آیا تھا، اُس کا مزاج سدا کا اُداس تھا، وہ عالم کی نیرنگی، زمانہ کی ناسازگاری اور پھر اپنی قوم کی پستی کے منظر دیکھ دیکھ کر خود بھی اکثر روتا تھا اور دوسروں کو بھی رُلاتا تھا، وہ جب روتا تھا، اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا تھا، کہ دیکھنے والے دیکھنے کی اور سُننے والے سُننے کی تاب نہیں لا سکتے تھے، مصنف کے سارے مرثیے خواہ وہ شخصی حیثیت سے لکھے گئے ہوں، یا قومی، اسی قدر پُر اثر اور کیفِ غم سے لبریز ہیں، اس انداز کا شاعر جب ملّت مرحومہ کے گذشتہ اقبال اور برباد شدہ جاہ و جلال کا سوگ منائے گا تو ظاہر ہے کہ اُس کے قلم کی ہر بوند آنسو کا ایک قطرہ، اور اُس کے لب کی ہر صدا فریاد کی ایک لے کیونکر نہ بن جائے گی۔

شاعر کو اپنی اس طبیعت کا کافی احساس تھا، دیباچہ اور ضمیمہ دونوں میں بار بار
اُس کا یہ اظہار جھلکا پڑتا ہے، اس لیے مسدس کا اصلی حصہ جو ۱۲۹۶ھ میں لکھا گیا تھا
ایسے اشعار پر ختم ہوا تھا جو سرتاپا یاس اور نا اُمیدی سے بھرے تھے۔

ضمیمہ | شاعر کو خود بھی خیال ہوا، اور دوسرے اصحاب نظر کے کہنے سے بھی معلوم ہوا کہ
کسی ایسی کتاب کا جو قوم کو غیرت دلانے اور اُس کے احساسِ عمل کو جگانے کے لیے
لکھی گئی ہو، ایسے دل شکن اور حوصلہ فرسا اشعار پر ختم کرنا ہمیشہ کے لیے اُس کی امیدوں
کو منقطع اور اُس کے حوصلوں کو پست کر دینا ہے۔ چنانچہ چھ برس کے بعد ۱۳۰۳ھ میں
شاعر نے اُس کا ضمیمہ لکھا اور چاہا کہ اپنی اداس طبیعت کو اُبھار کر نوحہ خوانی کے بجائے
کچھ رجز خوانی کا فرض انجام دے مگر انداز طبیعت اور دلی یقین کے خلاف کوئی بات
بنانا مشکل ہے اس لیے اس ضمیمہ کی صورت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی غموں کا مارا ماتم گسار
اپنے دوسرے غم زدہ عزیزوں کو تسکین دینے بیٹھے۔ وہ بار بار اپنے آنسوؤں کو پیتا ہے اپنے
چہرہ کو مطمئن بناتا ہے، اور دوسروں کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنے بھیگے رومال سے
پوچھتا اور صبر کی تلقین کرتا ہے، اور پھر منہ پھیر کر اُن عزیزوں کی آنکھوں کو بچا کر اُسی رومال
سے اپنے آنسوؤں کے قطروں کو بھی پونچھ لیتا ہے۔

اس ضمیمہ کی روانی اور فصاحت کا بھی وہی عالم ہے، مگر ہر بند پر صاف نظر آتا ہے
کہ مصنف وقت کی مصلحت اور طبیعت کے اقتضا کی کشمکش میں مبتلا ہے اور اسی کشمکش

میں اُس سے جہاں تک بن پڑتا ہے وہ اپنی قوم کے دل اُبھارنے، ہمت بڑھانے، اور ترقی کے گُر بتانے میں نئے نئے اسلوب پیدا کرتا ہے، اور طرح طرح سے سمجھاتا ہے۔

مسدس کی "حیاتِ جاوید" مسلمانوں کو سوتے سے جگانے اور اُن کے ہر طبقہ کو اُن کے عیب اور کمزوریوں کے سمجھانے میں ہمارے ہر رہنما نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق بہت کچھ کام کیا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مولانا حالی کی اس بروقت صدا نے اس میں سب سے بڑا کام کیا ہے، اُن کے نہ صرف اس مسدس کے ہر بند، بلکہ نظم کے ہر مصرع میں آج بھی وہ اثر ہے کہ سُن کر دل بیتاب اور اپنے اسلاف کے کارناموں کی تقلید کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔

مسدس میں جاہلیت کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ ایسا سچا ہے، کہ جب سے قلم نے اُس کو کھینچا اُس وقت سے آج تک وہ اس عہد کے ہر نقشہ کھینچنے والے کے لیے نمونہ کا کام دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت میں ہمارے خوش خیال شاعروں نے کیا کیا کچھ نہیں کہا، اور کس کس طرح مدح و توصیف نہیں کی، مگر مسدس میں نعت کے جو چند بند ہیں، وہ اپنی واقعیت اور سچائی کی بنا پر جس اثر سے مالا مال ہیں، وہ تکلف اور مبالغہ سے بھری ہوئی اکثر نعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ شاعروں نے اپنی نعتوں میں شاعری کے جادو سے اثر پیدا کرنا چاہا ہے، اور مولانا حالی نے سچائی اور واقعیت کے اعجاز سے، اس لیے ان کی نعت کے یہ چند شعر دوسروں کے سارے دفتر سے بہتر ہیں، اور بعد کو نئے شاعروں نے اسی طرز کی تقلید کی اور کامیاب رہے۔

مسلمانوں کے علوم و فنون کی تاریخ اور ترقیوں کا یہ پہلا نقشہ تھا جس کو مولانا حالی نے اپنے موقلم سے تیار کیا تھا، بڑے بڑے تاریخی واقعات اور قابل فخر کارناموں کو جس طرح چند مصرعوں میں کھپا کر انھوں نے بیان کر دیا، وہ آج بھی بے نظیر ہے۔ نظم کے ساتھ مقدمہ اور دیباچہ کی نثر بھی اپنی سلاست اور فصاحت کے لحاظ سے ہماری زبان کے ادب کا اتنا بلند نمونہ ہے، جس کی پیروی آج تک نہ ہو سکی۔

اس مسدس کی تالیف پر نصف صدی سے زیادہ گذر چکی، مگر اس کے اثر کی تازگی کا اب بھی وہی عالم ہے، امید ہے کہ صدیوں پر صدیاں گذرتی چلی جائیں گی لیکن ان اوراق پر سچائی اور اخلاص ملت کی تاثیر سے کہنگی نہ آئے گی یہ خود حیاتِ جاوید پائے گی، اور اپنے مصنف کو حیات جاوید بخشے گی، اور جیسے اس دنیائے فانی میں وہ اس کی شہرت کا سبب بنی، اس دنیائے باقی میں اس کی مغفرت کا سامان بنی ہوگی،

مسدس کی مصلحانہ شان

از جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ملک میں کچھ دنوں سے یہ خیال پھیلتا جاتا ہے کہ فنون لطیفہ کا مقصد صرف ذوق حسن کی تسکین ہے، انھیں کسی دوسرے مقصد کا تابع کرنے سے ان کی لطافت جاتی رہتی ہے۔ شاعری فن لطیف ہے اُسے اخلاق کی اصلاح سے کوئی واسطہ نہیں۔ شاعر اور مصلح کا میدان الگ الگ ہے۔ شاعر کی چوٹ دل پر پڑتی ہے، مصلح دماغ کو سلجھانے اور سنوارنے کی فکر کرتا ہے۔ شاعر کے لیئے دل آئینہ حسن ہے اور مصلح کے لیے حسن آئینہ حق۔ اخلاقی مضامین کو نظم میں بیان کرنے کا نام شاعری نہیں ہے۔

اس خیال کے لوگ سمجھتے ہیں کہ شاعر جن جذبات اور خیالات کو شعر میں ادا کرتا ہے وہ خود بخود اس کے نفس کی گہرائیوں سے پھوٹ نکلتے ہیں اور ان کی سوتیں گرد و پیش کی زندگی میں ڈھونڈھنا بے کار ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ ادب، شاعری، مصوری بلکہ انسانی تخلیق کے تمام مظاہر در اصل زندگی سے وابستہ اور اس کے دست نگر ہیں مانا کہ شاعر جن جذبات اور خیالات کو حسین الفاظ کا جامہ پہناتا ہے، انھیں اپنے دل

کی گہرائیوں سے ڈھونڈھ کر لاتا ہی، لیکن جس دل میں وہ کہاں سے آتے ہیں؟ وہ
اس کے تجربوں اور مشاہدوں اُس کی گذری مسرتوں اس کے بیتے ہوئے دُکھ درد
کا ثمر ہوتے ہیں بے شک شاعری خالی خولی وعظ کا نام نہیں اگر جوشِ موعظت شاعری
کی روح پر غالب آ جائے تو شعر شعر نہیں رہتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شاعری
محض الفاظ کے اُتار چڑھاؤ، بندش کی چستی، ترکیبوں کی خوبی سے عبارت نہیں
بازی گر کی طرح الفاظ سے کھیلنا اور چیز ہی اور الفاظ کو دل کا ترجمان بنا کر آپ بیتی
اور جگ بیتی کو دل لگتے انداز میں بیان کرنا اور چیز ہی۔ جن شاعروں کی قسمت میں
حیاتِ دوام آئی ہی اُن کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہی کہ اُن کی خودی وسیع ہو کر
سارے جہان پر محیط ہو گئی تھی، قطرے نے دریا میں فنا ہو کر عشرتِ ابدی حاصل کر لی
تھی، انھیں اپنے ابنائے جنس کی خوشی سے خوشی اُن کے غم سے غم ہوتا تھا۔ اُن کے
عروج میں فخر، اُن کے زوال میں ندامت محسوس ہوتی تھی۔

چیست انسانی؟ تپیدن از تبِ ہمسایگاں   از سمومِ نجد در باغِ عدن پژمان شدن

اچھا شاعر ہونے کے لیے یہ انسانیت ضروری ہی اور نجد و عدن کا امتیاز مٹانا لازم

اب حالی کی طرف آئیے۔ حالی کو حساس اور درد آشنا دل ملا تھا اور حق پسندی
اور حق گوئی کا جوہر عطا ہوا تھا۔ تربیت نے دینداری کو ان کی طبیعت میں راسخ کر دیا
تھا۔ جب اُنھوں نے ہوش سنبھالا اور اپنے ماحول پر نظر ڈالی تو ایک عبرت خیز نظارہ

دردناک نقشہ نظر آیا۔ انھوں نے خود اس منظر کو ان الفاظ میں دکھایا ہی:۔

"قوم کی حالت تباہ ہی، عزیز ذلیل ہو گئے ہیں، شریف خاک میں مل گئے۔ علم کا خاتمہ ہو چکا۔ دین کا صرف نام باقی ہی۔ اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں۔ تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہی۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہی۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہی۔ اُمرا، جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، غافل اور بے پروا ہیں۔ علما، جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہی، زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔"

یہی نقشہ تھا جس کو حالی کے خوں چکاں قلم نے مسدس میں اس طرح کھینچا ہی:۔

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر — جہاں خاک اُڑتی ہی ہر سو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر — ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر

نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل

جہاں زہر کا کام کرتا تھا باراں — جہاں آکے دیتا تھا رو ابرِ نیساں
تردد سے جو اور ہوتا تھا ویراں — نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں

یہ آواز پیہم وہاں آرہی ہی
کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہی

کیا حالی کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ ملّت اسلامیہ کے اس اُجڑے باغ کا نظارہ دیکھنے کے بعد گل و بلبل کی شاعری میں نازک خیالیاں دکھاتے؟ بے شک ایسے شعرائے کرام بھی اس زمانے میں گذرے جن کے پاس آنکھیں تھیں لیکن انھوں نے دیکھا نہیں، کان تھے لیکن سنا نہیں، دل تھا لیکن کچھ محسوس نہیں کیا۔ قوم کا گھر جلتا رہا اور وہ روما کے شہنشاہ نیرو کی طرح میٹھے بانسری بجایا کیے۔ لیکن حالی کے دل و دماغ پر اس آگ کا دھواں چھا گیا اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بن کر ٹپک پڑا۔ حالی کی شاعری چوٹ کھائے ہوئے دل کی فریاد ہے، مگر کس کے دل کی؟ وہ ایک فرد واحد لطاف حسین حالی کا دل نہیں، بلکہ ایک قوم و ملّت ایک تہذیب و تمدن کا دل ہے، جو اپنی وسعت میں ایک جہان درد و آرزو کو لیے ہوئے ہے۔ حالی کی شاعری میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض اُن کے جذبات و کیفیات کا آئینہ نہیں بلکہ ایک پوری قوم کی داستان عروج و زوال ہے

دوسری خصوصیت شاعر کی نظر کی رسائی اور رائے کی اصابت ہے۔ اس نے قوم کی نبض پر ہاتھ ہی نہیں رکھا بلکہ مرض کی صحیح تشخیص کر کے مناسب دوا بھی تجویز کی۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ بڑے بڑوں کی عقلیں یہاں جواب دے چکی تھیں۔ لوگ افراط و تفریط میں گرفتار تھے۔ بعض قدامت پرستی کے بندے، ماضی کے نشے میں سرشار، یہ چاہتے تھے کہ جدید علوم اور تمدن کو بالکل مسترد کردیں، بعض تہذیب مغرب سے مسحور ہو کر اپنی قومی روایات اور خصوصیات کو اُس پر قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس نازک موقع پر حالی کی عقل سلیم نے

شمعِ ہدایت کا کام دیا۔ انھوں نے ایک طرف مسدس میں مسلمانوں کو اُن کے عروج کی داستان سُنائی اور اُن کی خودداری اور عزتِ نفس کو اُبھارا انھیں اسلام کے بھولے ہوئے اصول یاد دلائے دوسری طرف مغربی تہذیب و تمدن کا جائزہ لے کر اُس کی اُن خصوصیات کی طرف توجہ دلائی جو مغربی اقوام کی ترقی اور فروغ کا باعث ہوئی ہیں۔ ان کی حق پسندی نے اپنے تمدن کی بُرائیوں پر پردہ ڈالنا گوارا نہیں کیا اور نہ دوسروں کی خوبیوں کے اعتراف میں کوتاہی کی انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جب تک ہم اپنے آپ کو جدید ذہنی ہتھیاروں سے مسلح نہیں کریں گے کارزارِ حیات میں قدم رکھنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حالی کا سارا کلام خصوصاً مسدس جہاں دل دردآشنا کے لیئے ایک مرثیہ کا حکم رکھتا ہے وہاں عقلِ سلیم کے لیے دعوتِ فکر اور سرچشمۂ ہدایت ہے۔

غدر کے بعد مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی علامت یہی تھی کہ ان کی قومی سیرت مسخ ہوگئی تھی اور ان تمام صفات کے بجائے جو ان کی ترقی کا باعث ہوئی تھیں ان پر تعصب، پست ہمتی، غلامی، جھوٹ اور ریاکاری مسلط تھی اور ستم یہ تھا کہ "متاعِ کارواں کے ساتھ احساسِ زیاں" بھی زائل ہو گیا تھا۔ اس وقت کوئی تعمیری تحریک ایسی نہ تھی جو دوبارہ مسلمانوں کی تنظیم کرے۔ خدا بھلا کرے سرسید کا جنھوں نے اس نازک وقت میں علی گڑھ تحریک کی بنا ڈالی اور تمدن، تعلیم اور علم و ادب میں ایک نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا۔ یہ تحریک محدود معنی میں صرف تعلیمی تحریک نہ تھی، بلکہ اس کا مقصد قوم میں ایک عام بیداری پیدا کرنا تھا۔

تاکہ اس کا جمود، افسردگی اور ناامیدی دُور ہو جائے اور وہ دوبارہ اجتماعی معاملات میں تخلیقی جد و جہد کر سکے۔ اس تحریک کی زبان حالی تھے جنھوں نے اس کے اثر کو تعلیم یافتہ طبقے کے تنگ دائرے سے باہر نکال کر ملک اور قوم میں عام کر دیا۔ اور اس کا ذریعہ ان کا شہرۂ آفاق مسدّس تھا جس کی تصنیف سر سیّد کی فرمائش سے ہوئی تھی۔

اصلاحی نقطہ نظر سے سب سے اہم مسدس کا وہ حصہ ہے جس میں شاعر نے قوم کے ہر گروہ اور ہر طبقے کی حالت کو اپنی بے پناہ اور دردناک تنقید کے ذریعے بے نقاب کیا ہے۔ جس کے ہر شعر میں سوسائٹی کی کسی دُکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا ہے۔ سرورِ کائنات کی بارگاہ میں عرضِ حال کرتے ہوئے چند اشعار میں وہ حقائق بیان کر دیے گئے ہیں جن پر مورخین معلمین اخلاق اور مصلحین معاشرت مدّتوں سر دھنیں گے۔ اس دردبھری دلدوز نظم میں سے کوئی کیا سُنائے اور کیا چھوڑے۔ مثال کے طور پر چند شعر سن لیجیے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جس دین نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جُدا ہے

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اُس میں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیرِ غنا بھی
اس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں ـــ پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے
دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے ـــ ایک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

صرف اسی نظم کی تنگ زمین میں حالی نے اُن مقامات کو بیان کر دیا ہے جہاں مذہب و فلسفہ کے بڑے بڑے مدعی نہیں پہنچ سکے۔ اسلام کی تعلیم کے رخ روشن پر زمانہ کے تعصب مخالفوں کی غلط بیانی اور خود مسلمانوں کی بے راہ روی کی وجہ سے پردہ پڑ گیا تھا۔ حالی نے اس پردے کو اُٹھا کر دکھا دیا کہ اسلام ایک مذہب امن ہے جو دنیا میں سلوک اور محبت کی حکومت قائم کرنے آیا تھا۔ اسلام کا مقصد قوموں اور جماعتوں کے اختلاف و تعصب کو مٹانا اور ان میں ایک عالمگیر اخوت قائم کرنا تھا۔ اس نے فقر میں خود داری اور جدوجہد اور ثروت میں فیاضی، خدا ترسی اور حق شناسی سکھائی تھی۔ اس نے علم و حکمت کو مومن کی کھوئی پونجی سے تعبیر کیا تھا۔ اسی کی برکت سے مسلمانوں نے دنیائے فکر و عمل کو مسخر کر لیا تھا۔ لیکن اب خود ملت اسلامیہ میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ اور افراد اور جماعتوں کے تعلقات میں حسن مراعات کا نام تک باقی نہیں رہا۔ عمل کی سرگرمی کی جگہ جمود اور بے حسی کا دَور دَورہ ہے۔ منعم اپنی دولت میں مست ہیں اور مفلس خود داری کو چھوڑ کر ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ نہ اُن میں قوت عمل باقی رہی ہے نہ ان میں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان دین اور دنیا دونوں کی نعمتوں سے محروم ہو گئے ہیں خدا کے ہاں انصاف ہے پاسداری نہیں، جو قوم اس کے احکام اور قوانین کی پیروی نہیں کرے گی وہ اس کا خمیازہ اُٹھائے گی۔ اس میں تقدیر کا گلہ کرنا، اپنے نفس کو فریب دینا اور حقیقت کی تلخی

سے گریز کرنا ہے۔

شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلہ ہے   جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت

تمدن و معاشرت کے تمام مختلف فیہ مسائل میں حالی ہمیشہ اُدھر ہوتے ہیں جو عدل انسانیت اور انصاف کا رستہ ہے۔ وہ حق پرستی، انصاف پسندی، خودداری، جرأت، بلند حوصلگی اور رواداری کے حامی ہیں۔ اور وقت کی قدر کرنا، محنت کی عزت کرنا، ابنائے جنس کے حقوق کی پاسداری کرنا اور مفاد ملی کے لیے ذاتی اغراض کو قربان کرنا سکھاتے ہیں۔ ان کی تعلیم میں ایک انقلاب عظیم کا امکان پوشیدہ ہے جس کو اُن لوگوں نے بھی پوری طرح نہیں سمجھا جو ان کے کلام پر سر دُھنتے ہیں اور ان کا قومی مرثیہ پڑھ کر آنسو بہاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں نہ صرف قوم کا دل دھڑکتا ہے بلکہ اس کے بلند ترین جذبات اور اعلیٰ ترین مقاصد کی ترجمانی موجود ہے۔ اقبال نے شیکسپیر کی شان میں جو شعر لکھا ہے اُس کا اطلاق بدرجۂ کمال حالی پر ہوتا ہے۔

حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن   دل انساں کو ترا حسن کلام آئینہ!

حالی کی مصلحانہ حیثیت کی سچی قدر شناسی کے لیے ان کی بلند اور پاکیزہ سیرت کو سمجھنا ضروری ہے۔ دنیا میں بہت سے بڑے آدمی گذرے ہیں جن کا نام لوگوں کی اور تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے، لیکن باوجود ان کے بڑے بڑے کارناموں کے ان میں کم ایسے ہوئے ہیں جن کا ظاہر و باطن، قول فعل، اصول اور عمل، زندگی اور تعلیم بالکل ایک ہوں۔ حالی کی کامیابی اور اثر آفرینی کی ایک بڑی وجہ ان کا خلوص ہے۔ ان کی شاعری میں بھی وہی خالص سونا

دمکتا ہے جس سے ان کی فطرت کا خمیر تیار ہوا تھا ان میں تصنع اور تکلف کا شائبہ تک
نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر لفظ جو دل سے نکلتا ہے بجلی بن کر دل پر گرتا ہے۔ سرسید
کے حلقۂ احباب و رفقا میں جو بڑے بڑے مشاہیر اور قابلِ احترام لوگوں پر مشتمل تھا
حالی کی سیرت سب سے برتر اور بلند تھی، جس پر تبصرہ کرتے ہوئے خواجہ غلام الثقلین صاحب
مرحوم نے عصر جدید میں لکھا تھا "بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا یونانی خیال کی رو
سے ایک معتدل اور متوسط انسان اور صوفیہ خیالات کی رو سے ایک صاحب باطن ولی
تھے"، جسٹس سیّد محمود کا وہ قول پڑھیئے جو سر سید راس مسعود نے اپنی تقریب میں نقل
کیا ہے۔ سیّد محمود جس زبردست دل و دماغ کے شخص تھے وہ محتاج بیان نہیں۔ انھوں نے
ایسی آزاد طبیعت پائی تھی کہ ان کا سرِ نیاز کسی بڑی سے بڑی بارگاہ میں بھی خم نہیں ہوا
ان کا یہ کہنا کہ تمام انسانوں میں حالی قابلِ پرستش ہیں، اپنے اندر ایک جہانِ معنی رکھتا ہے۔

ان ذاتی اوصاف و باطنی کمالات کا تذکرہ غیر متعلق یا خارج از بحث نہیں کیونکہ
حالی کی ذات اب انفرادیت کی حدود توڑ کر ہماری تہذیب و تمدن اور ہماری تاریخ و ادب
کے سرمایہ عزیز میں سما گئی ہے۔ اس لیئے ان کی شاعری کی قدر شناسی کے لیئے ان نفسی
خصوصیات اور محرکات عمل کو پہچاننا ضروری ہے جنھوں نے حالی کو حالی بنایا۔ حقیقت یہ ہے
کہ اصلاح کا جذبہ اور خدمتِ خلق کا شوق اُن کی زندگی اور عمل کے ہر پہلو پر محیط تھا۔ اس نے
ان کو غمِ عشق اور غمِ روزگار دونوں سے آزاد کر کے قوم کے غم اور قوم کے عشق میں مبتلا کر دیا

تھا یہی جذبۂ اصلاح تھا جس نے ان کی زندگی کی ابتدا سے رہنمائی کی اسی کی بدولت انھیں مسدس کے مضامین کا الہام ہوا۔ اسی کا بے پناہ تقاضا تھا جس نے پرانی شاعری کے فرسودہ سانچوں کو توڑ کر ان کی خلاق طبیعت کے لیئے نئے سانچے تیار کیئے۔ اور ایک شاعری ہی پر کیا منحصر ہے، ادب کی کونسی صنف تھی جس کی تہذیب اور اصلاح انھوں نے نہ کی ہو۔ غرض حالی نے جس طرح دنیائے عمل میں تمام عمر جھوٹ، مبالغہ اور ریاکاری کے خلاف جہاد کیا اسی طرح دنیائے فکر میں بھی ان چیزوں کو روا نہیں رکھا۔ ان کی ہر تصنیف میں وہی سچائی، سادگی اور ہمدردی جھلکتی ہے جو ان کی سیرت میں کارفرما تھی اور اسی کی بدولت ان کے لیئے نہ صرف شعرا کی صف اول میں جگہ مخصوص ہے بلکہ اہل نظر کے نزدیک ان کا شمار خاصان خدا میں ہے۔ کیوں کہ انھیں خدا کی مخلوق سے محبت تھی اور اس کی خدمت کا ذوق اور ولولہ تھا۔

آج جو لوگ قومی خدمت کی راہ میں گام زن ہیں حالی کی سیرت اور شاعری ہر قدم پر ان کی رہنمائی کرتی ہے اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیئے

تصویر مولانا حالی مرحوم

عکس تحریر مولانا حالی مرحوم

غدر کے بعد جب کئی برس بیکاری کی حالت میں گزر گئے تو فکر معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ۔ حسن اتفاق سے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم رئیس
دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر سے ۔ جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے ۔
شناسائی ہو گئی اور آٹھ برس تک بطور مصاحب کے ان کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ۔ نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اردو زبان کے شاعر تھے
اسی نسبت سے ان کا مذاق شاعری بھی مراتب بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا ۔ گو انہوں نے ابتدا میں اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خاں کو دکھایا تھا مگر ان کے
مرنے کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے ۔ میرے پاس جانے سے ان کا پرانا شوق سخن کا شوق ۔ جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا ۔ تازہ
ہو گیا اور ان کی صحبت میں میرا طبعی میلان بھی ۔ جو اب تک تربیت کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا ۔ چمک اٹھا ۔ اسی زمانہ میں اردو اور
فارسی کی اکثر غزلیں نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا ۔ انہیں کے ساتھ میں بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا
مگر درحقیقت مرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا ۔
وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے اور حقائق و واقعات کے بیان میں لطف پیدا کرنا اور سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا
اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے ۔ چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونوں متنفر تھے
نواب شیفتہ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار انیس کا ذکر ہو رہا تھا ۔ انہوں نے انیس کے مرثیہ کا یہ مطلع
"آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے" اور کہا کہ انیس نے ناحق مرثیہ لکھا ۔ یہی ایک مطلع کہا ہوتا تو ایک کتاب کے برابر تھا ۔
آپ کے خیالات کا رنگ مجھ پر بھی چڑھنے لگا اور رفتہ رفتہ ایک خاص قسم کا مذاق پیدا ہو گیا ۔

پہلا دیباچہ

سنہ ۱۲۹۶ھ
۱۸۷۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی　　بزم شعرا میں شعرخوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا　　ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

بچپن کا زمانہ، جو کہ حقیقت میں دنیا کی بادشاہت کا زمانہ ہے، ایک ایسے دلچسپ اور پُر فضا میدان میں گزرا جو کلفت کے گرد و غبار سے بالکل پاک تھا۔ نہ وہاں ریت کے ٹیلے تھے، نہ خاردار جھاڑیاں تھیں، نہ آندھیوں کے طوفان تھے، نہ بادِ سموم کی لپٹ تھی۔ جب اس میدان سے کھیلتے کودتے آگے بڑھے تو ایک اور صحرا اس سے بھی زیادہ دل فریب نظر آیا جس کے دیکھتے ہی ہزاروں ولولے اور لاکھوں امنگیں خودبخود دل میں پیدا ہو گئیں۔ مگر یہ صحرا جس قدر نشاط انگیز تھا اسی قدر وحشت خیز تھا۔ اس کی سبز جھاڑیوں میں ہولناک درندے چھپے ہوئے تھے اور اس کے خوشنما پودوں پر سانپ اور

بچھو پلٹے ہوئے تھے۔ جو ہیں اس کی حد میں قدم رکھا، ہر گوشے سے شیر پلنگ، مار و کژدم نکل آئے۔ باغ جوانی کی بہار اگرچہ قابل دید تھی مگر دنیا کے مکروہات سے دم لینے کی فرصت نہ ملی نہ خود آرائی کا خیال آیا اور نہ عشق و جوانی کی ہوا لگی۔ نہ وصل کی لذت اٹھائی نہ فراق کا مزا چکھا۔

یہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

البتہ شاعری کی بدولت چند روز جھوٹا عاشق بننا پڑا۔ ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشتِ جنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا۔ کبھی نالہ نیم شبی سے ربع مسکوں کو ہلا ڈالا، کبھی چشم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا۔ آہ و فغاں کے شور سے کرو بیاں کے کان بہرے ہو گئے، شکایتوں کی بوچھاڑ سے زمانہ چیخ اٹھا، طعنوں کی بھرمار سے آسمان چھلنی ہو گیا۔ جب رشک کا تلاطم ہوا تو ساری خدائی کو رقیب سمجھا۔ یہاں تک کہ آپ اپنے سے بدگمان ہو گئے۔ جب شوق کا دریا امڈا تو کشش دل سے جذب مقناطیسی اور قوت کہربائی کا کام لیا۔ بارہا تیغ ابرو سے شہید ہوئے اور بارہا ایک ٹھوکر سے جی اٹھے۔ گویا زندگی ایک پیراہن تھا کہ جب چاہا اتار دیا اور جب چاہا پہن لیا۔ میدان قیامت میں اکثر گزر ہوا۔ بہشت و دوزخ کی اکثر سیر کی۔ بادہ نوشی پر آئے تو خم کے خم لنڈھا دیے اور پھر بھی سیر نہ ہوئے۔ کبھی خانہ خمار کی چوکھٹ پر جبہہ سائی کی اور کبھی مے فروش کے در پر گدائی کی۔ کفر سے مانوس رہے، ایمان سے بیزار رہے، پیر مغاں

کے ہاتھ پر بیعت کی، برہمنوں کے چیلے بنے۔ بت پوجے، زنّار باندھا، قشقہ لگایا، زاہدوں پر پھبتیاں کہیں، واعظوں کا خاکہ اڑایا، دیر اور بتخانے کی تعظیم کی، کعبے اور مسجد کی توہین کی۔ خدا سے شوخیاں کیں، نبیوں سے گستاخیاں کیں، اعجازِ مسیحی کو ایک کھیل جانا، حسنِ یوسفی کو ایک تماشا سمجھا۔ غزل کہی تو پاک شہدوں کی بولیاں بولیں، قصیدہ لکھا تو بھاٹ اور باد خوانوں کے منہ پھیر دیئے، ہر مشتِ خاک میں اکسیرِ اعظم کے خواص بتلائے، ہر چوبِ خشک میں عصائے موسوی کے کرشمے دکھائے، ہر نمرودِ وقت کو ابراہیم خلیل سے جا ملایا، ہر فرعون بے سامان کو قادرِ مطلق سے جا بھڑایا۔ جس کے مدّاح بنے اسے ایسا بانس پر چڑھایا کہ خود ممدوح کو اپنی تعریف میں کچھ مزہ نہ آیا۔ غرض نامۂ اعمال ایسا سیاہ کیا کہ کہیں سفیدی باقی نہ چھوڑی۔

چو پرسشِ گنہم روزِ حشر خواہد بود
تمسّکاتِ گناہانِ خلق پارہ کنند

بیس برس کی عمر سے چالیسویں سال تک تیلی کے بیل کی طرح اسی ایک چکر میں پھرتے رہے اور اپنے نزدیک سارا جہان طے کر چکے۔ جب آنکھیں کھولیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں۔

شکستِ رنگِ شباب و ہنوز رعنائی
دراں دیار کہ زادی ہنوز آں جائی

نگاہ اٹھا کر دیکھا تو دائیں بائیں، آگے پیچھے ایک میدان وسیع نظر آیا جس میں بے شمار راہیں چاروں طرف کھلی ہوئی تھیں اور خیال کے لیے کہیں عرصہ تنگ نہ تھا۔ جی میں آیا

کہ قدم آگے بڑھائیں اور اس میدان کی سیر کریں۔ مگر جو قدم بیس برس تک ایک چال پر سے دوسری چال نہ چلے ہوں اور جن کی دوڑ گز دو گز زمین میں محدود رہی ہو اُن سے اس وسیع میدان میں کام لینا آسان نہ تھا۔ اس کے سوا بیس برس کی بیکار اور نکمی گردش میں ہاتھ پاؤں چُور ہو گئے تھے اور طاقت رفتار جواب دے چکی تھی لیکن پاؤں پہیے میں چکر تھا اس لیے نچلا بیٹھنا بھی دشوار تھا۔ چند روز اسی تردد میں یہ حال رہا کہ ایک قدم آگے بڑھتا تھا دوسرا پیچھے ہٹتا تھا۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے[1] ایک دشوار گزار رستے میں رہ نورد ہے۔ بہت سے لوگ جو اُس کے ساتھ چلے تھے تھک کر پیچھے رہ گئے ہیں بہت سے ابھی اُس کے ساتھ افتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں، مگر ہونٹوں پر پیڑیاں جمی ہیں، پیروں میں چھالے پڑے ہیں، دم چڑھ رہا ہے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ لیکن وہ اولوالعزم آدمی، جو ان سب کا رہنما ہے اُسی طرح تازہ دم ہے۔ نہ اُسے رستے کی تکان ہے، نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پروا ہے، نہ منزل کی دوری سے کچھ ہراس ہے۔ اُس کی چتون میں غضب کا جادو بھرا ہوا ہے کہ جس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے وہ آنکھیں بند کر کے اُس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اُس کی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی اور اپنا کام کر گئی۔ بیس برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ اسی دشوار گزار رستے پر پڑ لیے۔ نہ یہ خبر ہے کہ کہاں جاتے ہیں، نہ یہ معلوم ہے کہ کیوں جاتے ہیں، نہ طلب

[1] یعنی ڈاکٹر سر سید احمد خاں (مغفرلہ) ۱۳۱۵ ہجری

صادق ہے، نہ قدم راسخ ہے، نہ عزم ہے، نہ استقلال ہے، نہ صدق ہے، نہ اخلاص ہے۔ مگر ایک زبردست ہاتھ ہے کہ کھینچے لیے چلا جاتا ہے۔

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں   دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

زمانے کا نیا ٹھاٹھ دیکھ کر پرانی شاعری سے دل سیر ہو گیا تھا اور جھوٹے ڈھکوسلے باندھنے سے شرم آنے لگی تھی۔ نہ یاروں کے ابھاروں سے دل بڑھتا تھا، نہ ساتھیوں کی ریس سے کچھ جوش آتا تھا۔ مگر یہ ایک ایسے ناسور کا منھ بند کرنا تھا جو کسی نہ کسی راہ سے تراوش کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لیے بخارات درونی جن کے رکنے سے دم گھٹا جاتا تھا، دل و دماغ میں تلاطم کر رہے تھے اور کوئی رخنہ ڈھونڈھتے تھے۔ قوم کے ایک سچے خیر خواہ نے (جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے، اور جس طرح خود اپنے پُرزور ہاتھ اور قوی بازو سے بھائیوں کی خدمت کر رہا ہے، اسی طرح ہر اپاہج اور نکمے کو اسی کام میں لگانا چاہتا ہے) آکر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوان ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔

روح انساں لب بجنباں در دہن   ورحمیادی لاف انسانی مزن

قوم کی حالت تباہ ہے، عزیز ذلیل ہو گئے ہیں، شریف خاک میں مل گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے، دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے۔ اخلاق بالکل بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں، تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام

قوم پر چھائی ہوئی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔ اُمرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، غافل اور بے پروا ہیں۔ علما جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے، زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔ ایسے میں جس سے جو کچھ بن آئے سو بہتر ہے۔ ورنہ ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں، اور ساری ناؤ کی سلامتی میں ہماری سلامتی ہے۔ ہر چند لوگ بہت کچھ لکھ چکے اور لکھ رہے ہیں، مگر نظم جو کہ بالطبع سب کو مرغوب ہے اور خاص کر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصہ ہے، قوم کے بیدار کرنے کے لئے اب تک کسی نے نہیں لکھی۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ اور تدبیروں سے کیا ہوا جو اس تدبیر سے ہوگا مگر ایسی تنگ حالتوں میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال گزرتے رہے ہیں، ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیئے۔ پہلے خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ نہ ہوا، اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے۔

در فیض ہست منشیں از کشایش نا امید اینجا ۔۔۔ برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ [1] ہر چند کہ اس حکم کی بجا آوری مشکل تھی اور اس خدمت کا بوجھ اٹھانا دشوار تھا، ناصح کی جا دو بھری تقریر جی میں گھر کر گئی۔ دل ہی سے نکلی تھی، دل میں جا کر ٹھہری۔ برسوں کی بجھی ہوئی طبیعت میں

[1] اور وہ ایسا خدا ہے کہ جب لوگ ناامید ہو جاتے ہیں تو وہ مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔

ایک ولولہ پیدا ہوا اور باسی کڑھی میں اُبال آیا۔ افسردہ دل اور بوسیدہ دماغ، جو امراض کے متواتر حملوں سے کسی کام کے نہ رہے تھے، انھیں سے کام لینا شروع کیا اور ایک مسدس کی بنیاد ڈالی۔ دنیا کے مکروہات سے فرصت بہت کم ملی، اور بیماریوں کے ہجوم سے اطمینان کبھی نصیب نہ ہوا، مگر ہر حال میں یہ دھن لگی رہی تا آنکہ الحمدللہ کہ بہت سی دقتوں کے بعد ایک ٹوٹی پھوٹی نظم اس عاجز بندے کی بساط کے موافق طیار ہوگئی اور ناصح مشفق سے شرمندہ نہ ہونا پڑا۔ صرف ایک امید کے سہارے پر یہ راہ دُور دراز طے کی گئی ہی۔ ورنہ منزل کا نشان نہ اب تک ملا ہی نہ آئندہ ملنے کی توقع ہی۔

خبرم نیست کہ منزل گہِ مقصود کجاست　　ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

اس مسدس کے آغاز میں پانچ سات بند تمہید کے لکھ کر اوّل عرب کی اس ابتر حالت کا خاکہ کھینچا ہی جو ظہورِ اسلام سے پہلے تھی اور جس کا نام اسلام کی زبان میں جاہلیت رکھا گیا۔ پھر کوکبِ اسلام کا طلوع ہونا، اور نبیِ اُمّی کی تعلیم سے اُس ریگستان کا دفعۃً سرسبز و شاداب ہو جانا، اور اُس ابرِ رحمت کا اُمت کی کھیتی کو رحلت کے وقت ہرا بھرا چھوڑ جانا، اور مسلمانوں کا دینی اور دنیاوی ترقیات میں تمام عالم پر سبقت لے جانا بیان کیا ہی۔ اس کے بعد اُن کے تنزل کا حال لکھا ہی اور قوم کے لئے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہی جس میں آکر وہ اپنے خط و خال دیکھ سکتے ہیں

کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔ اگرچہ اس جانکاہ نظم میں جس کی دشواریاں لکھنے والے کا دل اور
دماغ ہی خوب جانتا ہی، بیان کا حق نہ مجھ سے ادا ہوا ہی اور نہ ہو سکتا تھا، مگر شکر ہی کہ
جس قدر ہو گیا اتنی بھی اُمید نہ تھی۔ ہمارے ملک کے اہل مذاق ظاہراً اس روکھی پھیکی
سیدھی سادی نظم کو پسند نہ کریں گے کیونکہ اس میں یا تاریخی واقعات ہیں یا چند آیتوں
اور حدیثوں کا ترجمہ ہی، یا جو آج کل قوم کی حالت ہی اُس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہی نہ کہیں
نازک خیالی ہی، نہ رنگین بیانی ہی۔ نہ مبالغے کی چاٹ ہی نہ تکلف کی چاشنی ہی۔ غرض کوئی
بات ایسی نہیں ہی جس سے اہل وطن کے کان مانوس اور مذاق آشنا ہوں اور کوئی کرشمہ
ایسا نہیں ہی کہ لَا عَیْنٌ[1] رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَر۔ گویا اہل
دہلی اور لکھنؤ کی دعوت میں ایک ایسا دسترخوان چُنا گیا ہی جس میں اُبالی کھچڑی اور بے مرچ
سالن کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مگر اس نظم کی ترتیب مزے لینے اور واہ واہ سُننے کے لیے نہیں
کی گئی ہی، بلکہ عزیزوں اور دوستوں کو غیرت اور شرم دلانے کے لیے کی گئی ہی۔ اگر دیکھیں
اور پڑھیں اور سمجھیں تو اُن کا احسان ہی ورنہ کچھ شکایت نہیں۔

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن ست و بس — در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

---

[1] نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی بشر کے دل میں گزرا۔

دوسرا دیباچہ

سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۸۸۶ء

حدیث درد دلاویز داستانے ہست　　　　کہ ذوق بیش دہد چوں دراز تر گردد

مسدس مدوجزر اسلام اول ہی اول ۱۲۹۶ہجری میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اگرچہ اس نظم کی اشاعت سے شاید کوئی معتدبہ فائدہ سوسائٹی کو نہیں پہنچا، مگر چھ برس میں جس قدر قبولیت یا شہرت اس نظم کو اطراف ہندوستان میں ہوئی وہ فی الواقع تعجب انگیز ہے۔ نظم بالکل غیر مانوس تھی اور مضمون اکثر طعن و ملامت پر مشتمل تھے۔ قوم کی خرابیاں چن چن کر ظاہر کی گئی تھیں اور زبان سے تیغ و سنان کا کام لیا گیا تھا۔ ناظم کی نسبت قوم کے اکثر ابرار و اخیار مذہبی سوءظن رکھتے تھے۔ تعصب عموماً کلمۂ حق سننے سے مانع تھا بایں ہمہ اس تھوڑی سی مدت میں یہ نظم ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی۔ ہندوستان کے مختلف اضلاع میں اس کے سات آٹھ ایڈیشن اب سے پہلے چھپ چکے ہیں۔ بعض قومی مدرسوں میں اس کا انتخاب بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔

مولود شریف کی مجلسوں میں جابجا اس کے بند پڑھے جاتے ہیں۔ اکثر لوگ اُس کو پڑھ کر بے اختیار روتے اور آنسو بہاتے ہیں۔ اس کے بہت سے بند ہمارے واعظوں کی زبان پر جاری ہیں۔ کہیں کہیں قومی ناٹک میں اُس کے مضامین ایکٹ کیے جاتے ہیں بہت سے مسدس اسی کی روش پر اسی بحر میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ شمالی مغربی اضلاع کے سرکاری مدارس میں عام قبولیت کی وجہ سے اس کو تعلیم میں داخل کر لیا گیا ہے۔ یہ اور اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نے اس کی طرف کافی توجہ کی ہے۔ مگر اس پر مصنف کو کچھ فخر کرنے کا محل نہیں ہے۔ اگر قوم کے دل میں متاثر ہونے کا مادہ نہ ہوتا تو یہ اور ایسی ایسی ہزار نظمیں بے کار تھیں۔ پس مصنف کو اگر فخر ہے تو صرف اس بات پر ہے کہ اُس نے زمین شور میں تخم ریزی نہیں کی اور پتھر میں جونک لگانی نہیں چاہی۔ اس نے ایک ایسی جماعت کو مخاطب گردانا ہے جو بے راہ ہے پر گم راہ نہیں ہے۔ وہ رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں مگر رستے کی تلاش میں چپ و راست نگراں ہیں۔ اُن کے ہنر مفقود ہو گئے ہیں، مگر قابلیت موجود ہے۔ ان کی صورت بدل گئی ہے مگر ہیولیٰ باقی ہے۔ اُن کے قویٰ مضمحل ہو گئے ہیں مگر زائل نہیں ہوئے۔ اُن کے جوہر مٹ گئے ہیں مگر جلا سے پھر نمودار ہو سکتے ہیں۔ اُن کے عیبوں میں خوبیاں بھی ہیں، مگر چھپی ہوئی۔ اُن کے خاکستر میں چنگاریاں بھی ہیں مگر دبی ہوئی۔

یہ نظم جس میں قوم کی گذشتہ اور موجودہ حالت کا صحیح صحیح نقشہ کھینچنا مدنظر تھا،

اگرچہ مسدس کی عام نظموں کی نسبت مبالغے سے خالی تھی لیکن فروگزاشت سے خالی نہ تھی۔ دوست کی نگاہ نکتہ چینی اور خردہ گیری میں وہی کام کرتی ہے جو دشمن کی نگاہ کرتی ہے۔ دونوں یکساں عیبوں پر خردہ گیری اور خوبیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں مگر دشمن اس غرض سے کہ عیب ظاہر ہوں اور خوبیاں مخفی رہیں، اور دوست اس خوف سے کہ مبادا خوبیوں کا غرور عیبوں کی اصلاح سے باز رکھے۔ مصنف بھی جو کہ دوستی کا دم بھرتا ہے شاید محبت اور دل سوزی ہی سے قوم کی عیب جوئی پر مجبور ہوا اور ہنر گستری سے معذور رہا۔ مگر یہ اسلوب جس قدر غیرت دلانے والا تھا اسی قدر مایوس کرنے والا بھی تھا۔ مصنف کے دل کی آگ بھڑک بھڑک کر بجھ گئی تھی اور اس کی افسردگی الفاظ میں سرایت کر گئی تھی۔ نظم کا خاتمہ ایسے دل شکن اشعار پر ہوا جن سے تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور تمام کوششیں رائگاں نظر آنے لگیں۔ شاید اس خرابی کا تدارک کچھ نہ ہو سکتا اگر قوم کی توجہ مصنف کے دل میں ایک نئی تحریک پیدا نہ کرتی اور قوم کو ایک نئے خطاب کا مستحق نہ ٹھہراتی۔ گو قوم نہیں بدلی مگر اس کے تیور بدلتے جاتے ہیں پس اگر تحسین کا وقت نہیں آیا تو نفریں ضرور کم ہونی چاہیئے۔ بعض احباب کی تحریک نے ان خیالات کی تائید کی اور ایک ضمیمہ مقتضائے حال کے موافق اصل مسدس کے آخر میں لاحق کیا گیا۔ ضمیمہ کو طول دینا مصنف کا مقصود نہ تھا مگر اس مضمون کو چھیڑ کر طول سے بچنا ایسا ہی مشکل تھا جیسے سمندر میں کود کر ہات پاؤں نہ مارنا۔

قدیم مسدس میں بھی جستہ جستہ تصرف کیا گیا ہی شاید بعض تصرفات کو ناظرین اس وجہ سے کہ قدیم اسلوب مانوس ہو گیا تھا پسند نہ کریں، مگر مصنف کا فرض تھا کہ دوستوں کی ضیافت میں کوئی ایسی چیز پیش نہ کرے جو خود اُس کے مذاق میں ناگوار معلوم ہو۔ نظم نہ پہلے پسند کے قابل تھی اور نہ اب ہی مگر الحمدللہ کہ درد اور سچ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہی۔ امید کہ درد پھیلے گا اور سچ چمکے گا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

رباعی

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے　　اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد　　دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا　　کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گر اُن کو سجھائیں — تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں — یونہیں رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

یہی حال دنیا میں اُس قوم کا ہی — بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہی!
کنارہ ہی دُور اور طوفاں بپا ہی! — گماں ہی یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہی!
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہی — فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہی
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہی — چپ و راست سے یہ صدا آرہی ہی
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

پر اُس قوم غافل کی غفلت وہی ہی — تنزل پہ اپنے قناعت وہی ہی
ملے خاک میں پر رعونت وہی ہی — ہوئی صبح اور خوابِ راحت وہی ہی
نہ افسوس اُنھیں اپنی ذلت پہ ہی کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہی کچھ

بہائم کی اور اُن کی حالت ہے یکساں　　کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں
نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارماں　　نہ دوزخ سے ترساں نہ جنّت کے خواہاں
لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام اُنھوں نے
کیا دینِ برحق کو بدنام اُنھوں نے

وہ دیں جس نے اعدا کو اخواں بنایا　　وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوارِ دوراں بنایا　　گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلّہ
گراں کر دیا اُس کا عالم سے پلّہ

عرب جس کا چرچا ہے یہ کچھ وہ کیا تھا　　جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانے سے پیوند جس کا جدا تھا　　نہ کشورستاں تھا نہ کشورکشا تھا
تمدن کا اُس پر پڑا تھا نہ سایہ
ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا

نہ آب و ہوا ایسی تھی روح پرور　　کہ قابل ہی پیدا ہوں خود جس سے جوہر
نہ کچھ ایسے ساماں تھے واں میسّر　　کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

زمیں سنگلاخ اور ہوا آتش افشاں　　لوؤں کی لپٹ باد صرصر کے طوفاں
پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں　　کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں

نہ کھتّوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اُس کی یہ تھی

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی　　نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی　　خدا کی زمیں بن جُتی سر بسر تھی

پہاڑ اور صحرا میں ڈیرہ تھا سب کا
تلے آسماں کے بسیرا تھا سب کا

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا　　کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا
بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا　　بتوں کا عمل سُو بسُو جا بجا تھا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی
طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا　　خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا　　کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا

وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا اک بت جدا تھا　　کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزّا پہ وہ نائلے پر فدا تھا　　اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ　　نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے　　سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے　　تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی　　صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی　　تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا　　کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا　　کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہیں روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یونہیں چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر　　تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور　　کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جا کر

وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی　　شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیّش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی　　غرض ہر طرح اُن کی حالت بُری تھی

بہت اس طرح اُن کو گزری تھیں صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت　　بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت　　چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت — کہ طالع ہوا ماہ برجِ سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدّت — کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
یہ چالیسویں سال لطفِ خُدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اُس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمی — نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اس کے جوہر تھے اصلی — ہوئے سب تھے مٹی میں مل کر وہ مٹی
پہ تھا ثبت علم قضا و قدر میں
کہ بن جائے گی وہ طلا اک نظر میں

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر — تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمان داور — سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ "اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب؟"

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا — کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا"
کہا "گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا — تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا؟
کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمھیں گھات پا کر"

کہا "تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے — کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے"
کہا "گر مری بات یہ دل نشیں ہے — تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا"

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی　　عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی　　اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا　　حقیقت کا گُر اُن کو ایک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا　　بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیے ایک پردہ اُٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں　　بُھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دورِ صہبائے بطلاں　　مئے حق سے محرم نہ تھی بزمِ دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خُمِ معرفت کا تھا مُنھ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا سے　　نہ آگاہ تھے مبدء و منتہا سے
لگائی تھی اک اک نے لو ماسوا سے　　پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سُنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

اُسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم
اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم
اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم

مبرّا ہے شرکت سے اُس کی خدائی
نہیں اُس کے آگے کسی کو بڑائی

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں
مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں
نبی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی ایک اُس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم　　نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم　　کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

اسی طرح دل ان کا ایک اک سے توڑا　　ہر اک قبلہ کج سے منہ ان کا موڑا
کہیں ماسوا کا علاقہ نہ چھوڑا　　خداوند سے رشتہ بندوں کا جوڑا
کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیئے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب　　نشاں گنج دولت کا ہات آگیا جب
محبت سے دل ان کا گرما گیا جب　　سماں ان پہ توحید کا چھا گیا جب
سکھائے معیشت کے آداب ان کو
پڑھائے تمدن کے سب باب ان کو

جتائی انھیں وقت کی قدر و قیمت　　دلائی انھیں کام کی حرص و رغبت
کہا چھوڑ دیں گے سب آخر رفاقت　　ہو فرزند و زن اس میں یا مال و دولت
نہ چھوڑے گا پر ساتھ ہرگز تمہارا
بھلائی میں جو وقت تم نے گزارا

غنیمت ہی صحت علالت سے پہلے فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے
فقیری سے پہلے غنیمت ہی دولت
جو کرنا ہی کرلو کہ تھوڑی ہے مہلت"

یہ کہہ کر کیا علم پر اُن کو شیدا کہ ہیں دور رحمت سے سب اہل دنیا
مگر دھیان ہی جن کو ہر دم خدا کا ہی تعلیم کا یا سدا جن میں چرچا
انھیں کے لیے یاں ہی نعمت خدا کی
انھیں پر ہی واں جا کے رحمت خدا کی"

سکھائی انھیں نوع انساں پہ شفقت کہا ہی یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسائے سے رکھتے ہیں وہ محبت شب و روز پہنچاتے ہیں اُس کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لیے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لیے چاہتے ہیں

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر
کسی کے گر آفت گزر جائے سر پر پڑے غم کا سایہ نہ اُس بے اثر پر
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر"

ڈرایا تعصب سے اُن کو یہ کہہ کر　　کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر　　وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہیں حق سے کچھ اس محبت کو بہرہ
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا
بچایا بُرائی سے اُن کو یہ کہہ کر　　کہ طاعت سے ترک معاصی ہے بہتر
تورّع کا ہے ذات میں جن کی جوہر　　نہ ہوں گے کبھی عابد اُن کے برابر
کرو ذکر اہلِ ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم"
غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی　　کہ بازو سے اپنی کرو تم کمائی
خبر تاکہ لو اُس سے اپنی پرائی　　نہ کرنی پڑے تم کو دَر دَر گدائی
طلب سے ہے دنیا کی گر یاں یہ نیّت
تو چمکو گے واں ماہِ کامل کی صورت"
امیروں کو تنبیہ کی اس طرح پر　　کہ ہیں تم میں جو اغنیا اور توانگر
اگر اپنے طبقے میں ہوں سب سے بہتر　　بنی نوع کے ہوں مددگار و یاور
نہ کرتے ہوں بے مشورت کام ہرگز
اُٹھاتے نہ ہوں بے دھڑک گام ہرگز

تو مُردوں سے آسودہ تر ہو وہ طبقہ　　زمانہ مبارک ملے جس کو ایسا
یہ جب اہل دولت ہوں اشرار دنیا　　نہ ہو عیش میں جن کو اوروں کی پروا

نہیں اُس زمانے میں کچھ خیر و برکت
اقامت سی بہتر ہے اُس وقت رحلت"

دیے پھیر دل اُن کے مکر و ریا سے　　بھرا اُن کے سینے کو صدق و صفا سے
بچایا انھیں کذب سے افترا سے　　کیا سُرخ رو خلق سے اور خدا سے

رہا قول حق میں نہ کچھ باک اُن کو
بس اک شوب میں کر دیا پاک اُن کو

کہیں حفظ صحت کے آئیں سکھائے　　سفر کے کہیں شوق اُن کو دلائے
مفاد ان کو سوداگری کے سجھائے　　اصول اُن کو فرماندہی کے بتلائے

نشاں راہ و منزل کا ایک اک دکھایا
بنی نوع کا اُن کو رہبر بنایا

ہوئی ایسی عادت پہ تعلیم غالب　　کہ باطل کے شیدا ہوئے حق کے طالب
مناقب سے بدلے گئے سب مثالب　　ہوئے روح سے بہرہ ور اُن کے قالب

جسے راج رد کر چکے تھے وہ پتھر
ہُوا جا کے آخر کو قائم سرے پر

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت نبی نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے خدا کے لیئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت   نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت   فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفہ تھے اُمت کے ایسے نگہباں   ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمّی و مسلم کو یکساں   نہ تھا عبد و حر میں تفاوت نمایاں

کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانے میں ماجائی بہنیں ہوں جیسی

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی   فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی   شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُن کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہیے واں کفایت   سخاوت جہاں چاہیئے واں سخاوت
بچی اور تلی دشمنی اور محبت   نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت

جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

ترقی کا جس دم خیال اُن کو آیا　　اک اندھیر تھا ربع مسکوں میں چھایا
ہر اک قوم پر تھا تنزل کا سایہ　　بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا

وہ بینش جو ہیں آج گردوں کے تارے
دھندلکے میں پستی کے پنہاں تھے سارے

نہ وہ دَور دَورہ تھا عبرانیوں کا　　نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا
پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا　　پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا

جہاز اہل روما کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہل ایراں کا تھا ٹمٹماتا

ادھر ہند میں ہر طرف تھا اندھیرا　　کہ تھا گیان گُن کا لدایاں سے ڈیرا
ادھر تھا عجم کو جہالت نے گھیرا　　کہ دل سب نے کیش و کنش سے تھا پھیرا

نہ بھگوان کا دھیان تھا گیانیوں میں
نہ یزداں پرستی تھی یزدانیوں میں

ہوا ہر طرف موج زن تھی بلا کی　　گلوں پر چھری چل رہی تھی جفا کی
عقوبت کی حد تھی نہ پرسش خطا کی　　پڑی لٹ رہی تھی ودیعت خدا کی

زمیں پر تھا ابر ستم کا دڑیڑا
تباہی میں تھا نوع انساں کا بیڑا

وہ تو میں جو ہیں آج غم خوار انساں درندوں کی اور اُن کی طینت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں بہت دور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہ باں ہیں ہمارے
وہ تھے بھیڑیے آدمی خوار سارے

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب
جہاں ابرِ رحمت گہر بار ہے اب جہاں ہن برستا لگا تار ہے اب
تمدن کا پیدا نہ تھا واں نشاں تک
سمندر کی آئی نہ تھی موج واں تک

نہ رستہ ترقی کا کوئی کھلا تھا نہ زینہ بلندی پہ کوئی لگا تھا
وہ صحرا انھیں قطع کرنا پڑا تھا جہاں نقش پا تھا نہ شورِ درا تھا
جو ہیں کان میں حق کی آواز آئی
لگا کرنے خود اُن کا دل رہ نمائی

گھٹا اک پہاڑوں سے بطحا کے اُٹھی پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی
رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

کیا اُمّیوں نے جہاں میں اُجالا | ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا | ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

زمانے میں پھیلائی توحید مطلق
لگی آنے گھر گھر سے آوازِ حق حق

ہوا غلغلہ نیکیوں کا بدوں میں | پڑی کھلبلی کفر کی سرحدوں میں
ہوئی آتشِ افسردہ آتشکدوں میں | لگی خاک سی اُڑنے سب معبدوں میں

ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

لیے علم و فن ان سے نصرانیوں نے | کیا کسب اخلاق رُوحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے | کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا | فلاطون کو زندہ پھر کر دکھایا
ہر اک شہر و قریے کو یونان بنایا | مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

کیا برطرف پردہ چشمِ جہاں سے
جگایا زمانے کو خوابِ گراں سے

ہر اک میکدے سے بھرا جا کے ساغر ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر گرہ میں لیا باندھ حکمِ پیمبر
کہ "حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو"

ہر اک علم کے فن کے جویا ہوئے وہ ہر اک کام میں سب سے بالا ہوئے وہ
فلاحت میں بے مثل و یکتا ہوئے وہ سیاحت میں مشہورِ دنیا ہوئے وہ
ہر اک ملک میں اُن کی پھیلی عمارت
ہر اک قوم نے اُن سے سیکھی تجارت

کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں مہیّا کئے سب کے راحت کے ساماں
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں انھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفّا دو طرفہ برابر درختوں کا سایہ
نشاں جا بجا میل و فرسخ کے برپا سر رہ کنوئیں اور سرائیں مہیّا
انھیں کے ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اسی قافلے کے نشاں ہیں یہ سارے

سدا اُن کو مرغوب سیر و سفر تھا ہر اک برِّ اعظم میں اُن کا گزر تھا
تمام اُن کا چھانا ہوا بحر و بر تھا جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا
وہ گنتے تھے یکساں وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہاں کو ہی یاد اُن کی رفتار اب تک کہ نقشِ قدم ہیں نمودار اب تک
ملایا میں ہیں اُن کے آثار اب تک انھیں رو رہا ہی ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہیں واقعات اُن کے ازبر
نشان ان کے باقی ہیں جبل الطّارق پر

نہیں اس طبق پر کوئی برِّ اعظم نہ ہوں جس میں اُن کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم بناؤں سے ہیں اُن کی معمور عالم
سرِ کوہِ آدم سے تا کوہِ بیضا
جہاں جاؤگے کھوج پاؤگے اُن کا

وہ سنگیں محل اور وہ اُن کی صفائی جمی جن کے کھنڈروں پہ ہی آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانے نے گو اُن کی برکت اُٹھا لی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی

ہوا اندلس اُن سے گلزار یکسر جہاں اُن کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر یہ ہی بیت حمرا کی گویا زباں پر

کہ تھے آل عدنان سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

ہویدا ہے غرناطہ سے شوکت اُن کی عیاں ہے بلنسیہ سے قدرت اُن کی
بطلیوس کو یاد ہے عظمت اُن کی ٹپکتی ہے قادس میں سے حسرت اُن کی

نصیب اُن کا اشبیلیہ میں ہے سوتا
شب و روز ہے قرطبہ اُن کو روتا

کوئی قرطبے کے کھنڈر جا کے دیکھے مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے

جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

وہ بلدہ کہ فخر بلادِ جہاں تھا تر و خشک پر جس کا سکہ رواں تھا
گڑا جس میں عباسیوں کا نشاں تھا عراق عرب جس سے رشکِ جناں تھا

اُڑا لے گئی بادِ پندار جس کو
بہا لے گئی سیل تاتار جس کو

سُنے گوش عبرت سے گر جا کے انساں — تو واں ذرّہ ذرّہ یہ کرتا ہے اعلاں
کہ تھا جن دنوں مہر اسلام تاباں — ہوا یاں کی تھی زندگی بخش دوراں
پڑی خاکِ ایتھنز میں جاں یہیں سے
ہوا زندہ پھر نام یوناں یہیں سے

وہ لقمان و سقراط کے دُرِّ مکنوں — وہ اسرار بقراط و درس فلاطوں
ارسطو کی تعلیم سولن کے قانوں — پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں
یہیں آکے مُہر سکوت اُن کی ٹوٹی
اسی باغ رعنا سے بُو اُن کی پھوٹی

یہ تھا علم پر واں توجہ کا عالم — کہ ہو جیسے مجروح جویائے مرہم
کسی طرح پیاس اُن کی ہوتی نہ تھی کم — بجھاتا تھا آگ اُن کی باراں نہ شبنم
حریم خلافت میں اونٹوں پہ لد کر
چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر

وہ تارے جو تھے شرق میں لمعہ افگن — یہ تھا اُن کی کرنوں سے تا غرب روشن
نوشتوں سے ہیں جن کے اب تک مزیّن — کتب خانۂ پیرس و روم و لندن
پڑا غلغلہ جن کا تھا کشوروں میں
وہ سوتے ہیں بغداد کے مقبروں میں

وہ سنجار کا اور کوفے کا میداں　　فراہم ہوئے جس میں مسّاحِ دوراں
کرے کی مساحت کے پھیلائے ساماں　　ہوئی جزو سے قدرِ کُل کی نمایاں

زمانہ وہاں آج تک نوحہ گر ہے
کہ عباسیوں کی سبھا وہ کدھر ہے

سمرقند سے اندلس تک سراسر　　انھیں کی رصدگاہیں تھیں جلوہ گستر
سوادِ مراغہ میں اور قاسیوں پر　　زمیں سے صدا آرہی ہے برابر

کہ جن کی رصد کے یہ باقی نشاں ہیں
وہ اسلامیوں کے منجم کہاں ہیں

مورخ ہیں جو آج تحقیق والے　　تفحص کے ہیں جن کے آئیں نرالے
جنھوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے　　زمیں کے طبق سربسر چھان ڈالے

عرب ہی نے دل اُنکے جا کر اُبھارے
عرب ہی سے وہ بھرنے سیکھے ترارے

اندھیرا تواریخ پر چھا رہا تھا　　ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
درایت کے سورج پہ ابر آرہا تھا　　شہادت کا میدان دھندلا رہا تھا

سرِ رہ چراغ اک عرب نے جلایا
ہر اک قافلے کا نشاں جس سے پایا

گروہ ایک جویا تھا علمِ نبی کا　　لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا　　کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اِسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو　　اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سُنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو　　لیا اُس سے جا کر خبر اور اثر کو

پھر آپ اُس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزہ اُس کا چکھ کر

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا　　مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا　　ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا

طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملّا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر　　گواہ اُن کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا اُن کا احساں یہ اک اہلِ دیں پر　　وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر

لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے
بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

فصاحت کے دفتر تھے سب گاؤخوردہ　　　بلاغت کے رستے تھے سب ناسپردہ
اُدھر روم کی شمع انشا تھی مردہ　　　اِدھر آتشِ پارسی تھی فسردہ

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی
کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی

عرب کی جو دیکھی وہ آتش زبانی　　　سُنی برمحل اُن کی شیوا بیانی
وہ اشعار کی دل میں ریشہ دوانی　　　وہ خطبوں کی، مانندِ دریا، روانی

وہ جادو کے جملے وہ فقرے فسوں کے
تو سمجھے کہ گویا ہم اب تک تھے گونگے

سلیقہ کسی کو نہ تھا مدح و ذم کا　　　نہ ڈھب یاد تھا شرح شادی و غم کا
نہ انداز تلقین و عظ و حکم کا　　　خزانہ تھا مدفون زبان و قلم کا

نواسنجیاں اُن سے سیکھیں یہ سب نے
زباں کھول دی سب کی نطقِ عرب نے

زمانے میں پھیلی طب ان کی بدولت　　　ہوئی بہرہ ور جس سے ہر قوم و ملت
نہ صرف ایک مشرق میں تھی اُن کی شہرت　　　مسلّم تھی مغرب تک ان کی حذاقت

سلرنو میں جو ایک نامی مطب تھا
وہ مغرب میں عطارِ مشکِ عرب تھا

ابو بکر رازی علی ابن عیسیٰ — حکیم گرامی حسین ابن سینا
حنین ابن اسحاق قیس دانا — ضیا ابن بیطار راس الاطبّا
انھیں کے ہیں مشرق میں سب نام لیوا
انھیں سے ہوا پار مغرب کا کھیوا

غرض فن ہیں جو مایۂ دین و دولت — طبیعی، الٰہی، ریاضی و حکمت
طب اور کیمیا ہندسہ اور ہیئت — سیاست، تجارت، عمارت، فلاحت
لگاؤ گے کھوج اُن کا جا کر جہاں تم
نشاں اُن کے قدموں کے پاؤ گے واں تم

ہوا گو کہ پامال بستاں عرب کا — مگر اک جہاں ہے غزل خواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا — سپید و سیہ پر ہے احساں عرب کا
وہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنونڈی رہیں گی ہمیشہ عرب کی

رہے جب تک ارکان اسلام برپا — چلن اہل دیں کا رہا سیدھا سادا
رہا میل سے شہد صافی مصفّا — رہی کھوٹ سے سیم خالص مبرّا
نہ تھا کوئی اسلام کا مرد میداں
علم ایک تھا شش جہت میں درفشاں

یہ گدلا ہوا جب کہ چشمہ صفا کا — گیا چھوٹ سررشتہ دینِ ہدیٰ کا
رہا سر پہ باقی نہ سایہ ہما کا — تو پورا ہوا عہد تھا جو خدا کا

کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک
وہ بگڑا نہیں آپ دنیا میں جب تک

بُرے اُن پہ وقت آ کے پڑنے لگے اب — وہ دنیا میں بس کر اُجڑنے لگے اب
بھرے اُن کے میلے بچھڑنے لگے اب — بنے تھے وہ جیسے بگڑنے لگے اب

ہری کھیتیاں جل گئیں لہلہا کر
گھٹا کھُل گئی سارے عالم پہ چھا کر

نہ ثروت رہی ان کی قائم نہ عزّت — گئے چھوڑ ساتھ ان کا اقبال و دولت
ہوئے علم و فن اُن سے ایک ایک رخصت — مٹی خوبیاں ساری نوبت بہ نوبت

رہا دین باقی نہ اسلام باقی
اک اسلام کا رہ گیا نام باقی

ملے کوئی ٹیلا اگر ایسا اونچا — کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دنیا
چڑھے اس پہ پھر اک خردمند دانا — کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا

تو قوموں میں فرق اس قدر پائے گا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائے گا وہ

وہ دیکھے گا ہر سو ہزاروں چمن واں
بہت تازہ تر صورت باغ رضواں
بہت ان سے کمتر، پہ سر سبز و خنداں
بہت خشک اور بے طراوت مگر واں

نہیں لائے گو برگ و بار ان کے پودے
نظر آتے ہیں ہونہار ان کے پودے

پھر اک باغ دیکھے گا اُجڑا سراسر
جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر
ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر

نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے روکھ جس کے جلانے کے قابل

جہاں زہر کا کام کرتا ہے باراں
جہاں آکے دیتا ہے رو ابر نیساں
تردد سے جو اور ہوتا ہے ویراں
نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں

یہ آواز پیہم وہاں آرہی ہے
کہ اسلام کا باغ ویراں ہی ہے

وہ دین حجازی کا بیباک بیڑا
نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا
مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا
نہ عماں میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا

کیئے پے سپر جس نے ساتوں سمندر
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر

اگر کان دھر کر سنیں اہل عبرت　　تو سیلون سے تا بہ کشمیر و تبت

زمیں گو وکھ بن پھول پھل ریت پربت　　یہ فریاد سب کر رہے ہیں بحسرت

کہ کل فخر تھا جن سے اہل جہاں کو
لگا اُن سے عیب آج ہندوستاں کو

حکومت نے تم سے کیا گر کنارا　　تو اس میں نہ تھا کچھ تمھارا اجارا

زمانے کی گردش سے ہے کس کو چارا　　کبھی یاں سکندر کبھی یاں ہے دارا

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی
جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

ہوئی مقتضی جب کہ حکمت خدا کی　　کہ تعلیم جاری ہو خیر الوریٰ کی

پڑے دھوم عالم میں دینِ ہدیٰ کی　　تو عالم کی تم کو حکومت عطا کی

کہ پھیلاؤ دنیا میں حکم شریعت
کرو ختم بندوں پہ مالک کی حجت

ادا کر چکی جب حق اپنا حکومت　　رہی اب نہ اسلام کی اُس کو حاجت

مگر حیف اے فخر آدم کی امت　　ہوئی آدمیت بھی ساتھ اُس کے رخصت

حکومت تھی گویا کہ اک جھول تم پر
کہ اُٹھتے ہی اُس کے نکل آئے جوہر

زمانے میں ہیں ایسی قومیں بہت سی — نہیں جن میں تخصیص فرماندہی کی
پر آفت کہیں ایسی آئی نہ ہو گی — کہ گھر گھر یہ یاں چھا گئی آ کے پستی

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں

وہ ملت کہ گردوں پہ جس کا قدم تھا — ہر اک کھونٹ میں جس کا برپا علم تھا
وہ فرقہ جو آفاق میں محترم تھا — وہ اُمت لقب جس کا خیر الامم تھا

نشان اُس کا باقی ہی صرف اس قدر یاں
کہ گنتے ہیں اپنے کو ہم بھی مسلماں

وگرنہ ہماری رگوں میں لہو میں — ہمارے ارادوں میں اور جستجو میں
دلوں میں زبانوں میں اور گفتگو میں — طبیعت میں فطرت میں عادت میں خو میں

نہیں کوئی ذرہ نجابت کا باقی
اگر ہو کسی میں تو ہی اتفاقی

ہماری ہر اک بات میں سفلہ پن ہی — کمینوں سے بدتر ہمارا چلن ہی
لگا نام آبا کو ہم سے گہن ہی — ہمارا قدم ننگ اہل وطن ہی

بزرگوں کی توقیر کھوئی ہی ہم نے
عرب کی شرافت ڈبوئی ہی ہم نے

نہ قوموں میں عزت، نہ جلسوں میں وقعت — نہ اپنوں سے اُلفت، نہ غیروں سے ملت
مزاجوں میں سستی، دماغوں میں نخوت — خیالوں میں پستی، کمالوں سے نفرت

عداوت نہاں، دوستی آشکارا
غرض کی تواضع غرض کی مدارا

نہ اہلِ حکومت کے ہمراز ہیں ہم — نہ درباریوں میں سرافراز ہیں ہم
نہ علموں میں شایانِ اعزاز ہیں ہم — نہ صنعت میں حرفت میں ممتاز ہیں ہم

نہ رکھتے ہیں کچھ منزلت نوکری میں
نہ حصہ ہمارا ہے سوداگری میں

تنزل نے کی ہے بُری گت ہماری — بہت دُور پہنچی ہے نکبت ہماری
گئی گذری دُنیا سے عزت ہماری — نہیں کچھ اُبھرنے کی صورت ہماری

پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے
توقع پہ جنت کی جیتے ہیں سارے

سیاحت کی گوں ہیں نہ مردِ سفر ہیں — خدا کی خدائی سے ہم بے خبر ہیں
یہ دیواریں گھر کی جو پیشِ نظر ہیں — یہی اپنے نزدیک حدِ بشر ہیں

ہیں تالاب میں مچھلیاں کچھ فراہم
وہی اُن کی دنیا وہی اُن کا عالم

بہشت اور ارم، سلسبیل اور کوثر　　پہاڑ اور جنگل جزیرے سمندر
اسی طرح کے اور بھی نام اکثر　　کتابوں میں پڑھتے رہے ہیں برابر
پہ جب تک نہ دیکھیں کہیں کس یقیں پر
کہ یہ آسماں پر ہیں یا ہیں زمیں پر

وہ بے مول پونجی کہ ہے اصل دولت　　وہ شائستہ ملکوں کا گنج سعادت
وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت　　وہ دولت، کہ ہے وقت جس سے عبارت
نہیں اُس کی وقعت نظر میں ہماری
یونہیں مفت جاتی ہے برباد ساری

اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا　　تو ہوگا کم و بیش بار اُس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا　　کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا
نہیں کرتے خِسّت اُڑانے میں اُس کے
بہت ہم سخی ہیں لُٹانے میں اُس کے

اگر سانس دن رات کے سب گنیں ہم　　تو نکلیں گے انفاس ایسے بہت کم
کہ ہو جن میں کل کے لیے کچھ فراہم　　یونہیں گزرے جاتے ہیں دن رات پیہم
نہیں کوئی گویا خبردار ہم میں
کہ یہ سانس آخر ہیں اب کوئی دم میں

گڈریے کا وہ حکم بردار کتا　　کہ بھیڑوں کی ہر دم ہے رکھوال کرتا
جو ریوڑ میں ہوتا ہے پتے کا کھڑکا　　تو وہ شیر کی طرح پھرتا ہے بپھرا
جو انصاف کیجے تو ہے ہم سے بہتر
کہ غافل نہیں فرض سے اپنے دم بھر

وہ قومیں کہ سب ا طے کر چکی ہیں　　ذخیرے ہر اک جنس کے بھر چکی ہیں
ہر ایک بوجھ بار اپنے سر دھر چکی ہیں　　ہوئی تب ہیں زندہ کہ جب مر چکی ہیں
اسی طرح راہِ طلب میں ہیں پویا
بہت دور ابھی اُن کو جانا ہے گویا

کسی وقت جی بھر کے سوتے نہیں وہ　　کبھی سیر محنت سے ہوتے نہیں وہ
بضاعت کو اپنی ڈبوتے نہیں وہ　　کوئی لحظہ بے کار کھوتے نہیں وہ
نہ چلنے سے تھکتے نہ اُکتاتے ہیں وہ
بہت بڑھ گئے اور بڑھے جاتے ہیں وہ

مگر ہم کہ اب تک جہاں تھے وہیں ہیں　　جمادات کی طرح بارِ زمیں ہیں
جہاں میں ہیں ایسے کہ گویا نہیں ہیں　　زمانے سے کچھ ایسے فارغ نشیں ہیں
کہ گویا ضروری تھا جو کام کرنا
وہ سب کر چکے، ایک باقی ہے مرنا

یہاں اور ہیں جتنی قومیں گرامی — خود اقبال ہی آج اُن کا سلامی
تجارت میں ممتاز دولت میں نامی — زمانے کی ساتھی ترقی کی حامی

نہ فارغ ہیں اولاد کی تربیت سے
نہ بے فکر ہیں قوم کی تقویت سے

دکاں اُن کی ہی اور بازار اُن کا — بنج اُن کا ہے اور بیوپار اُن کا
زمانے میں پھیلا ہی بیوپار اُن کا — ہی ہیرو جواں بر سرِ کار اُن کا

مدار اہلکاری کا ہی اب انھیں پر
انھیں کے ہیں آفس انھیں کے ہیں دفتر

معزز ہیں ہر ایک دربار میں وہ — گرامی ہیں ہر ایک سرکار میں وہ
نہ رسوا ہیں عادت میں اطوار میں وہ — نہ بدنام گفتار و کردار میں وہ

نہ پیشے سے حرفے سے انکار اُن کو
نہ محنت مشقت سے کچھ عار اُن کو

جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ — پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں وہ
ہر اک سانچے میں جا کے ڈھل جاتے ہیں وہ — جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ

ہر اک وقت کا مقتضے جانتے ہیں
زمانے کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مگر ہی ہماری نظر اتنی اونچی کہ یکساں ہی سب واں بلندی و پستی
نہیں اب تک اصلا خبر ہم کو یہ بھی کہ ہی کون مُردار کیسا ترقی

جدھر کھول کر آنکھ ہم دیکھتے ہیں
زمانے کو اپنے سے کم دیکھتے ہیں

زمانے کا دن رات ہی یہ اشارہ کہ ہی آشتی میں مری یاں گزارا
نہیں بیڑی جن کو میری گوارا مجھے اُن سے کرنا پڑے گا کنارا

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی
چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

چمن میں ہوا آچکی ہی خزاں کی پھری ہی نظر دیر سے باغباں کی
صدا اور ہی بلبل نغمہ خواں کی کوئی دم میں رحلت ہی اب گلستاں کی

تباہی کے خواب آرہے ہیں نظر سب
مصیبت کی ہی آنے والی سحر اب

فلاکت جسے کہیے اُمّ الجرائم نہیں رہتے ایماں پہ دل جس سے قائم
بنائی ہی انسان کو جو بہائم مصلّی ہیں دل جمع جس سے نہ صائم

وہ یوں اہل اسلام پر چھا رہی ہی
کہ مسلم کی گویا نشانی یہی ہی

کہیں مکر کے گر سکھاتی ہے ہم کو — کہیں جھوٹ کی لو لگاتی ہے ہم کو
خیانت کی چالیں سجھاتی ہے ہم کو — خوشامد کی گھاتیں بتاتی ہے ہم کو
فسوں جب یہ پاتی نہیں کارگر وہ
تو کرتی ہے آخر کو دریوزہ گر وہ

یہاں جتنی قومیں ہمارے سوا ہیں — ہزار اُن میں خوش ہیں تو دو مبتلا ہیں
یہاں لاکھ میں دو اگر اغنیا ہیں — تو سو نیم بسمل ہیں باقی گدا ہیں
ذرا کام غیرت کو فرمائیں گر ہم
تو سمجھیں کہ ہیں مبتذل کس قدر ہم

بگاڑے ہیں گردش نے جو خاندانی — نہیں جانتے بس کہ روٹی کمانی
دلوں میں ہے یہ یک قلم سب نے ٹھانی — کہ کیجے بسر مانگ کر زندگانی
جہاں قدر دانوں کا ہیں کھوج پاتے
پہنچتے ہیں واں مانگتے اور کھاتے

کہیں باپ دادا کا ہیں نام لیتے — کہیں روشناسی سے ہیں کام لیتے
کہیں جھوٹے وعدوں پہ ہیں دام لیتے — یونہیں ہیں وہ دے دے کے دم دام لیتے
بزرگوں کے نازاں ہیں جس نام پر وہ
اسے بیچتے پھرتے ہیں دربدر وہ

یہ ہیں ڈھنگ اُن تازہ آفت زدوں کے — بہت کم زمانہ ہوا جن کو بگڑے
ابھی ایک عالم ہے آگاہ جن سے — کہ ہیں کس کے بیٹے وہ اور کس کے پوتے
جنھیں دیس پردیس سب جانتے ہیں
حسب اور نسب جن کا پہچانتے ہیں

مگر مٹ چکا جن کا نام و نشاں ہے — پرانی ہوئی جن کی اب داستاں ہے
فسانوں میں قصوں میں جن کا بیاں ہے — بہت نسل پر تنگ اُن کی جہاں ہے
نہیں ان کی قدر اور پرسش کہیں اب
اُنھیں بھیک تک کوئی دیتا نہیں اب

بہت آگ چلموں کی سلگانے والے — بہت گھانس کی گٹھریاں لانے والے
بہت دربدر سانگ کر کھانے والے — بہت فاقے کر کر کے مرجانے والے
جو پوچھو کہ کس کان کے ہیں وہ جوہر
تو نکلیں گے نسل ملوک اُن میں اکثر

انھیں کے بزرگ ایک دن حکمراں تھے — انھیں کے پرستار پیرو جواں تھے
یہی مامن عاجز و ناتواں تھے — یہی مرجع دیلم و اصفہاں تھے
یہی کرتے تھے ملک کی گلہ بانی
انھیں کے گھروں میں تھی صاحبقرانی

یہ اے قوم اسلام عبرت کی جا ہے — کہ شاہوں کی اولاد در در گدا ہے
جسے سنیے افلاس میں مبتلا ہے — جسے دیکھیے مفلس و بےنوا ہے
نہیں کوئی اُن میں کمانے کے قابل
اگر ہیں تو ہیں مانگ کھانے کے قابل

نہیں مانگنے کا طریق ایک ہی یاں — گدائی کی ہیں صورتیں نت نئی یاں
نہیں حصر کنگلوں پہ گدیہ گری یاں — کوئی دے تو منگتوں کی ہے کیا کمی یاں
بہت ہاتھ پھیلائے زیر ردا ہیں
چھپے اُجلے کپڑوں میں اکثر گدا ہیں

بہت آپ کو کہہ کے مسجد کے بانی — بہت بن کے خود سیّد خاندانی
بہت سیکھ کر نوحہ و سوز خوانی — بہت مدح میں کر کے رنگیں بیانی
بہت آستانوں کے خدام بن کر
پڑے مانگتے کھاتے پھرتے ہیں در در

مشقت کو محنت کو جو عار سمجھیں — ہنر اور پیشے کو جو خوار سمجھیں
تجارت کو کھیتی کو دشوار سمجھیں — فرنگی کے پیسے کو مُردار سمجھیں
تن آسانیاں چاہیں اور آبرو بھی
وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی

کریں نوکری بھی، تو بے عزتی کی جو روٹی کمائیں، تو بے حرمتی کی
کہیں پائیں خدمت تو بے عزتی کی قسم کھائیے اُن کی خوش قسمتی کی
امیروں کے بنتے ہیں جب یہ مصاحب -
تو جاتے ہیں ہو کر حمیّت سی تائب

کہیں اُن کی صحبت میں گانا بجانا کہیں مسخرہ بن کے ہنسنا ہنسانا
کہیں پھبتیاں کہہ کے انعام پانا کہیں چھیڑ کر گالیاں سب سے کھانا
یہ کام اور بھی کرتے ہیں پر نہ ایسے
مسلمان بھائی سے بن آئیں جیسے

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہی خمیر اُن کا اور اُن کی طینت جُدا ہی
سزاوار ہی اُن کو جو ناسزا ہی روا ہی انھیں سب کو جو ناروا ہی
شریعت ہوئی ہی نکونام اُن سے
بہت فخر کرتا ہی اسلام اُن سے

ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہی ہر اک بات پر واں درست اور بجا ہے
نہ گفتار میں اُن کی کوئی خطا ہی نہ کردار اُن کا کوئی ناسزا ہی
وہ جو کچھ کہیں کہہ سکے کون اُن کو
بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو

وہ دولت کہ ہی مایۂ دین و دنیا　　　وہ دولت کہ ہی توشۂ راہِ عقبیٰ
سلیماں نے کی جس کی حق سے تمنّا　　　بڑھا جس سے آفاق مین نام کسریٰ

کیا جس نے حاتم کو مشہورِ دوراں
کیا جس نے یوسف کو مسجودِ اخواں

ملا ہی یہ فخر اُس کو اُن کی بدولت　　　کہ سمجھی گئی ہی وہ اصلِ شقاوت
کہیں ہی وہ سرمایۂ جہل و غفلت　　　کہیں نشۂ بادۂ کبر و نخوت

جہاں کے لئے جو کہ آبِ بقا ہی
وہ اس قوم کے حق میں سمّی ہوا ہی

ادھر مال و دولت نے یاں منھ دکھایا　　　اُدھر ساتھ ساتھ اُس کے ادبار آیا
پڑا آکے جس گھر پہ ثروت کا سایہ　　　عمل و اں سے برکت نے اپنا اُٹھایا

نہیں راس یاں جا رپیسے کسی کو
مبارک نہیں جیسے پر چیونٹی کو

سمجھتے ہیں سب عیب جن عادتوں کو　　　بہائم سے نسبت ہی جن سیرتوں کو
چھپاتے ہیں اوباش جن خصلتوں کو　　　نہیں کرتے اجلاف جن حرکتوں کو

وہ یاں اہلِ دولت کو ہیں شیرِ مادر
نہ خوفِ خدا ہی نہ شرمِ پیمبر

طبیعت اگر لہو بازی پہ آئی تو دولت بہت سی اسی میں لٹائی
جو کی حضرت عشق نے رہ نمائی تو کردی بھرے گھر کی دم میں صفائی
پھر آخر لگے مانگنے اور کھانے
یونہیں مٹ گئے یاں ہزاروں گھرانے

نہ آغاز پر اپنے غور اُن کو اصلا نہ انجام کا اپنے کچھ اُن کو کھٹکا
نہ فکر اُن کو اولاد کی تربیت کا نہ کچھ ذلّت قوم کی اُن کو پروا
نہ حق کوئی دنیا پہ اُن کا نہ دیں پر
خدا کو وہ کیا منہ دکھائیں گے جا کر

کسی قوم کا جب اُلٹتا ہے دفتر تو ہوتے ہیں مسخ اُن میں پہلے تونگر
کمال اُن میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر نہ عقل اُن کی ہادی نہ دیں اُن کا رہبر
نہ دنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا
نہ عقبٰی میں دوزخ نہ جنّت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ وزاری سے ڈرنا نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا
ہوا و ہوس میں خودی سے گزرنا تعیش میں جینا نمائش پہ مرنا
سدا خواب غفلت میں بیہوش رہنا
دم نزع تک خود فراموش رہنا

پریشاں اگر قحط سے اک جہاں ہے — تو بے فکر ہیں کیوں کہ گھر میں سماں ہے
اگر باغ امت میں فصل خزاں ہے — تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گل فشاں ہے
بنی نوع انساں کا حق اُن پہ کیا ہے
وہ اک نوع نوع بشر سے جُدا ہے

کہاں بندگان ذلیل اور کہاں وہ — بسر کرتے ہیں بے غم قوت ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ — مکاں رکھتے ہیں رشک خلد و جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

کمربستہ ہیں لوگ خدمت میں اُن کی — گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں اُن کی
نفاست بھری ہے طبیعت میں اُن کی — نزاکت سو داخل ہے عادت میں اُن کی
دواؤں میں مشک اُن کی اُٹھتا ہے ڈھیروں
وہ پوشاک میں عطر ملتے ہیں سیروں

یہ ہو سکتے ہیں اُن کے ہمجنس کیوں کر — نہیں چین جن کو زمانے سے دم بھر
سواری کو گھوڑا نہ خدمت کو نوکر — نہ رہنے کو گھر اور نہ سونے کو بستر
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا   کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا
وہی دوست ہے خالق دوسرا کا   خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

عمل جن کا تھا اس کلام متیں پر   وہ سرسبز ہیں آج روئے زمیں پر
تفوق ہے اُن کو کہین و مہیں پر   مدار آدمیت کا ہے اب انھیں پر
شریعت کے جو ہم نے پیماں توڑے
وہ لے جا کے سب اہل مغرب نے جوڑے

سمجھتے ہیں گمراہ جن کو مسلماں   نہیں جن کو عقبےٰ میں اُمید غفراں
نہ حصے میں فردوس جن کے نہ رضواں   نہ تقدیر میں حور جن کے نہ غلماں
پس از مرگ دوزخ ٹھکانا ہے جن کا
حمیم آب و زقوم کھانا ہے جن کا

وہ ملک و ملت پہ اپنی فدا ہیں   سب آپس میں ایک اک کے حاجت روا ہیں
اولوالعلم ہیں اُن میں یا اغنیا ہیں   طلبگار بہبود خلق خدا ہیں
یہ تمغہ تھا گویا کہ حصہ نہیں کا
کہ حب الوطن ہے نشاں مومنیں کا

امیروں کی دولت غریبوں کی ہمت ادیبوں کی انشا حکیموں کی حکمت
فصیحوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت سپاہی کے ہتیار شاہوں کی طاقت
دلوں کی امیدیں اُمنگوں کی خوشیاں
سب اہل وطن اور وطن پر ہیں قرباں

عروج اُن کا جو تم عیاں دیکھتے ہو جہاں میں انھیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع اُن کا سارا جہاں دیکھتے ہو انھیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں اُن کی جوانمردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

غنی ہم میں ہیں جو کہ ارباب ہمت مسلّم ہے عالم میں جن کی سخاوت
اگر ہے مشائخ سے اُن کو عقیدت تو ہے پیرزادوں پہ وقف اُن کی دولت
نکمّے ہیں دن رات واں عیش کرتے
یہ نوکر ہیں جتنے وہ بھوکے ہیں مرتے

عمل واعظوں کے اگر قول پر ہے تو بخشش کی امید بے صرفہ رہے
نماز اور روزے کی عادت اگر ہے تو روز حساب اُن کو پھر کس کا ڈر ہے
اگر شہر میں کوئی مسجد بنادی
تو فردوس میں نیو اپنی جمادی

عمارت کی بنیاد ایسی اٹھائی ۔ نہ نکلے کہیں ملک میں جس کا ثانی
تماشوں میں ثروت بڑوں کی اڑائی ۔ نمائش میں دولت خدا کی لٹائی
چھٹی بیاہ میں کرنے لاکھوں کے ساماں
یہ ہیں اُن کے ارماں یہ ہیں اُن کی خوشیاں

مگر دین برحق کا بوسیدہ ایواں ۔ تزلزل میں مدت سے ہیں جس کے ارکاں
زمانے میں ہے جو کوئی دن کا مہماں ۔ نہ پائیں گے ڈھونڈا جسے پھر مسلماں
عزیزوں نے اُس سے توجہ اٹھالی
عمارت کا ہے اُس کے اللہ والی

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں ۔ وہ درویش و سلطاں کی اُمید گاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں ۔ فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں
کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

وہ علم شریعت کے ماہر کدھر ہیں ۔ وہ اخبار دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں ۔ محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں
وہ مجلس جو کل سر بسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں — مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرع متیں کے کہاں ہیں — وہ وارث رسول امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماوےٰ
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی نہ مُلّا

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر — کہاں ہیں وہ علم الٰہی کے منظر
چلی ایسی اس بزم میں باد صرصر — بجھیں مشعلیں نور حق کی سراسر

رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی
صراحی نہ طنبور مطرب نہ ساقی

بہت لوگ بن کر ہوا خواہ امت — سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت — پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیل دولت

یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارث انبیا اب

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر — نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر — کہ تھے ان کے اسلاف مقبول داور

کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

یہ ہیں جادہ ہمارے راہِ طریقت　　مقام ان کا ہی ماورائے شریعت
انھیں پر ہی ختم آج کشف و کرامت　　انھیں کے ہی قبضے میں بندوں کی قسمت

یہی ہیں مراد اور یہی ہیں مرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی بایزید اب

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی　　جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی　　مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی

یہ ہی عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہی ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے اُن سے جائے　　تو گردن پہ بار گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے　　تو قطعی خطاب اہلِ دوزخ کا پائے

اگر اعتراض اُس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے　　کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اُس کو بتاتے　　کبھی مارنے کو عصا ہیں اُٹھاتے

ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلق رسول امیں کے

جو چاہے کہ خوش اُن سے مل کر ہو انساں　　تو ہی شرط وہ قوم کا ہو مسلماں
نشاں سجدے کا ہو جبیں پر نمایاں　　تشرع میں اُس کے نہ ہو کوئی نقصاں
لبیں بڑھ رہی ہوں نہ ڈاڑھی چڑھی ہو
ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

عقائد میں حضرت کا ہمداستاں ہو　　ہر اک اصل میں فرع میں ہم زباں ہو
حریفوں سے اُن کے بہت بدگماں ہو　　مریدوں کا اُن کے بڑا مدح خواں ہو
گر ایسا نہیں ہے تو مردود دیں ہے
بزرگوں سے ملنے کے قابل نہیں ہے

شریعت کے احکام تھے وہ گوارا　　کہ شیدا تھے اُن پر یہود اور نصاریٰ
گواہ اُن کی نرمی کا قرآں ہی سارا　　خود اَلدِّینُ یُسرٌ نبی نے پکارا
مگر یاں کیا ایسا دشوار اُن کو
کہ مومن سمجھنے لگے بار اُن کو

نہ کی اُن کی اخلاق میں رہنمائی　　نہ باطن میں کی اُن کے پیدا صفائی
پہ احکام ظاہر کی لے یہ بڑھائی　　کہ ہوتی نہیں اُن سے دم بھر رہائی
وہ دیں جو کہ چشمہ تھا خلقِ نکو کا
کیا قلتین اُس کو غسل و وضو کا

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے — حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے — ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم — کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم
جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلّم — اُسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم

سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر — کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں — شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں　　ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں　　وہ بدلا گیا آ کے ہندوستاں میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

تعصب کہ ہے دشمن نوعِ انساں　　بھرے گھر کئے سیکڑوں جس نے ویراں
ہوئی بزمِ نمرود جس سے پریشاں　　کیا جس نے فرعون کو نذرِ طوفاں
گیا جوش میں بولہب جس کے کھویا
ابوجہل کا جس نے بیڑا ڈبویا

وہ یاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے　　چھپا جس کے پردے میں اس کا ضرر ہے
بھرا زہر جس جام میں سر بسر ہے　　وہ آبِ بقا ہم کو آتا نظر ہے
تعصب کو اک جزوِ دیں سمجھے ہیں ہم
جہنم کو خلدِ بریں سمجھے ہیں ہم

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے　　کہ جو کام دینی ہے یا دنیوی ہے
مخالف کی ریس اس میں کرنی بری ہے　　نشاں غیرتِ دینِ حق کا یہی ہے
نہ ٹھیک اس کی ہرگز کوئی بات سمجھو
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو

قدم گر رہِ راست پر اُس کا پاؤ
تو تم سیدھے رستے سے کترا کے جاؤ
پڑیں اُس میں جو دقتیں وہ اُٹھاؤ
لگیں جس قدر ٹھوکریں اُس میں کھاؤ
جو نکلے جہاز اُس کا بچ کر بھنور سے۔
تو تم ڈال دو ناؤ اندر بھنور کے

اگر مسخ ہو جائے صورت تمہاری
بہائم میں مل جائے سیرت تمہاری
بدل جائے بالکل طبیعت تمہاری
سراسر بگڑ جائے حالت تمہاری
تو سمجھو کہ ہے حق کی اک شان یہ بھی
ہے اک جلوۂ نورِ ایمان یہ بھی

نہ اوضاع میں تم سے نسبت کسی کو
نہ اخلاق میں تم پہ سبقت کسی کو
نہ حاصل یہ کھانوں میں لذت کسی کو
نہ پیدا یہ پوشش یہ زینت کسی کو
تمھیں فضل ہر علم میں بر ملا ہے
تمہاری جہالت میں بھی اک ادا ہے

کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بُری تم
رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم
حمایت میں ہو جب کہ اسلام کی تم
تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بری تم
بدی سے نہیں مومنوں کو مضرت
تمھارے گنہ اور نہ اوروں کی طاعت

مخالف کا اپنے اگر نام لیجے — تو ذکر اس کا ذلت سے خواری سے کیجے
کبھی بھول کر طرح اس میں نہ دیجے — قیامت کو دیکھو گے اس کے نتیجے

گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرّا
مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرّا

نہ سنّی میں اور جعفری میں ہو الفت — نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملّت
وہابی سے صوفی کی کم ہو نہ نفرت — مقلد کرے نامقلد پہ لعنت

رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ — تو شیطان سے اس کو سمجھو زیادہ
جسے ایسے مفسد سے ہو استفادہ — رہ حق سے ہو برطرف اس کا جادہ

شریعت کو کرتے ہیں برباد دونوں
ہیں مردود شاگرد و استاد دونوں

وہ دیں جس نے الفت کی بنیاد ڈالی — کیا طبع دوراں کو نفرت سے خالی
بنایا اجانب کو جس نے موالی — ہر اک قوم کے دل سے نفرت نکالی

عرب اور حبش ترک تاجیک و دیلم
ہوئے سارے شیر و شکر مل کے باہم

تعصب نے اُس صاف چشمے کو آکر کیا بغض کے خار و خس سے مکدّر
بنے خصم جو تھے عزیز اور برادر نفاق اہل قبلہ میں پھیلا سراسر
نہیں دستیاب ایسے اب دس مسلماں
کہ ہو ایک کو دیکھ کر ایک شاداں

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے مصیبت میں یاروں کے غمخوار ہوتے
سب ایک ایک کے باہم مددگار ہوتے عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے
جب الفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیرالامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر کہ "ہیں سب مسلمان باہم برادر"
برادر ہے جب تک برادر کا یاور معین اُس کا ہے خود خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سب کے باہم خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار و ہمدم
اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرّم اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پُرغم
مبارک ہے اُس قصر شاہنشہی سے
جہاں ایک دل ہو مکدر کسی سے

اگر ہو مدار اس پہ تحقیق دیں کا   کہ ہو دین والوں کا برتاؤ کیسا؟
کھرا اُن کا بازار ہی یا کہ کھوٹا   ہی قول و قرار اُن کا جھوٹا کہ سچّا

تو ایسے نمونے بہت شاذ ہیں یاں
کہ اسلام پر جن سے قائم ہو برہاں

مجالس میں غیبت کا زور اس قدر ہی   کہ آلودہ اس خون میں ہر بشر ہی
نہ بھائی کو بھائی سے یاں درگزر ہی   نہ مُلّا کو صوفی کو اس سے حذر ہی

اگر نشہ مَے ہو غیبت میں پنہاں
تو ہشیار پایے نہ کوئی مسلماں

جنھیں چار پیسے کا مقدور ہی یاں   سمجھتے نہیں ہیں وہ انساں کو انساں
موافق نہیں جن سے ایّام دوراں   نہیں دیکھ سکتے کسی کو وہ شاداں

نشے میں تکبّر کے ہی چور کوئی
حسد کے مرض میں ہی رنجور کوئی

اگر مرجع خلق ہی ایک بھائی   نہیں ظاہرا کوئی اُس میں بُرائی
بھلا جس کو کہتی ہی ساری خدائی   ہر اک دل میں عظمت ہی جس کی سمائی

تو پڑتی ہیں اُس پر نگاہیں غضب کی
کھٹکتا ہی کانٹا سا آنکھوں میں سب کی

بگڑتا ہی جب قوم میں کوئی بن کر — ابھی بخت و اقبال تھے جس کے یاور

ابھی گردنیں جھکتی تھیں جس کے در پر — مگر کر دیا اب زمانے نے بے پر

تو ظاہر میں کرتے ہیں پر خوش ہیں جی میں

کہ ہمدرد بات آیا اک مفلسی میں

اگر اک جوانمرد ہمدرد انساں — کرے قوم پر دل سے جان اپنی قرباں

تو خود قوم اُس پر لگائے یہ بہتاں — کہ ہے اُس کی کوئی غرض اس میں پنہاں

وگرنہ پڑی کیا کسی کو کسی کی

یہ چالیں سراسر ہیں خود مطلبی کی

نکالے گر اُن کی بھلائی کی صورت — تو ڈالیں جہاں تک بنے اُس میں کھنڈت

سنیں کامیابی کی گر اُس کی شہرت — تو دل سے تراشیں کوئی تازہ تہمت

مُنھ اپنا ہو گو دین و دنیا میں کالا

نہ ہو ایک بھائی کا پر بول بالا

اگر پاتے ہیں دو دلوں میں صفائی — تو ہیں ڈالتے اُس میں طرح جدائی

ٹھنی دو گروہوں میں جس دم لڑائی — تو گویا مُنا ہماری بر آئی

بس اس سے نہیں مشغلہ خوب کوئی

تماشا نہیں ایسا مرغوب کوئی

تغلب میں بدنیستی میں دغا میں نمود اور بناوٹ فریب اور ریا میں
سعایت میں بہتان میں افترا میں کسی بزم بیگانہ و آشنا میں
نہ پاؤ گے رسوا و بدنام ہم سے
بڑھے پھر نہ کیوں شان اسلام ہم سے

خوشامد میں ہم کو وہ قدرت ہی حاصل کہ انساں کو کرتے ہیں ہر طرح مائل
کہیں احمقوں کو بناتے ہیں عاقل کہیں ہوشیاروں کو کرتے ہیں غافل
کسی کو اُتارا کسی کو چڑھایا
یونہیں سیکڑوں کو اسامی بنایا

روایات پر حاشیہ اک چڑھانا قسم جھوٹے وعدوں پہ سَو بار کھانا
اگر مدح کرنا تو حد سے بڑھانا مذمت پہ آنا تو طوفاں اُٹھانا
یہ ہی روزمرّہ کا یاں اُن کے عنواں
فصاحت میں بے مثل ہیں جو مسلماں

اُسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہی ناصح سے اَن بَن سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن
یہی عیب ہی سب کو کھویا ہی جس نے
ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہی جس نے

وہ عہدِ ہمایوں جو خیر القروں تھا	خلافت کا جب تک کہ قائم ستوں تھا

نبوت کا سایہ ابھی رہنموں تھا	سماں خیر و برکت کا ہر دم فزوں تھا

عدالت کے زیور سے تھے سب مزین

پھلا اور پھولا تھا احمد کا گلشن

سعادت بڑی اس زمانے کی یہ تھی	کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی

نہ کرتے تھے خود قول حق سے خموشی	نہ لگتی تھی حق کی انھیں بات کڑوی

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا

خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

نبی نے کہا تھا جنھیں فخرِ امت	جنھیں خلد کی مل چکی تھی بشارت

مسلّم تھی عالم میں جن کی عدالت	رہا مفتخر جن سے تختِ خلافت

وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے در در

کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سن کر

مگر ہم کہ ہیں دام وَ دَد ہم سے بہتر	نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مضمر

نہ اقران و امثال میں ہم موقر	نہ اجداد و اسلاف کے ہم میں جوہر

نصیحت سے ایسا بُرا مانتے ہیں

کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر　　کوئی ہم پہ مبعوث ہوتا پیمبر
تو ہی جیسے مذکور قرآں کے اندر　　ضلالت یہود اور نصاریٰ کی اکثر
یونہیں جو کتاب اس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری جتاتی

ہنر ہم میں جو ہیں وہ معلوم ہیں سب　　علوم اور کمالات معدوم ہیں سب
چلن اور اطوار مذموم ہیں سب　　فراغت سے دولت سے محروم ہیں سب
جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر
تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

وہ تقویم پارینہ یونانیوں کی　　وہ حکمت کہ ہے اک ڈھوکے کی ٹٹی
یقیں جس کو ٹھہرا چکا ہے نکمی　　عمل نے جسے کر دیا آ کے ردّی
اسے وحی سے سمجھے ہیں ہم زیادہ
کوئی بات اس میں نہیں کم زیادہ

زبور اور توریت و انجیل و قرآں　　بالاجماع ہیں قابل نسخ دنیاں
مگر لکھ گئے جو اصول اہل یوناں　　نہیں نسخ و تبدیل کا ان میں امکاں
نہیں مٹتے جب تک کہ آثار دنیا
مٹے گا کبھی کوئی شوشہ نہ ان کا

نتائج ہیں جو مغربی علم و فن کے — وہ ہیں ہند میں جلوہ گر سو برس سے
تعصب نے لیکن یہ ڈالے ہیں پردے — کہ ہم حق کا جلوہ نہیں دیکھ سکتے
دلوں پر ہیں نقش اہل یوناں کی رائیں
جو اب وحی اترے تو ایماں نہ لائیں

اب اس فلسفے پر ہیں جو مرنے والے — شفا اور مجسطی کے دم بھرنے والے
ارسطو کی چوکھٹ پہ سر دھرنے والے — فلاطون کی اقتدا کرنے والے
وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں

وہ جب کر چکے ختم تحصیل حکمت — بندھی سر پہ دستار علم و فضیلت
اگر رکھتے ہیں کچھ طبیعت میں جودت — تو ہے سب سے اُن کی بڑی یہ لیاقت
کہ گردن کو وہ رات کہہ دیں زباں سے
تو منوا کے چھوڑیں اُسے اک جہاں سے

سوا اس کے جو کہ گئے اُس کو پڑھا دیں — نہیں جو کچھ آتا ہی اُس کو بتا دیں
وہ سیکھے ہیں جو بولیاں سب سکھا دیں — میاں مٹھو اپنا سا اُس کو بنا دیں
یہ لے دے کے ہے علم کا اُن کے حاصل
اسی پر ہے فخر اُن کو بین الاماثل

نہ سرکار میں کام پانے کے قابل — نہ دربار میں لب ہلانے کے قابل
نہ جنگل میں ریوڑ چرانے کے قابل — نہ بازار میں بوجھ اُٹھانے کے قابل

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کما کر
وہ کھوئے گئے اور تعلیم پا کر

جو پوچھو کہ حضرت نے جو کچھ پڑھا ہے — مراد آپ کی اس کے پڑھنے سے کیا ہے
مفاد اس میں دنیا کا یا دین کا ہے — نتیجہ کوئی یا کہ اس کے سوا ہے

تو مجذوب کی طرح سب کچھ بکیں گے
جواب اُس کا لیکن نہ کچھ دے سکیں گے

نہ حجت رسالت پہ لا سکتے ہیں وہ — نہ اسلام کا حق جتا سکتے ہیں وہ
نہ قرآں کی عظمت دکھا سکتے ہیں وہ — نہ حق کی حقیقت بتا سکتے ہیں وہ

دلیلیں ہیں سب آج بے کار اُن کی
نہیں چلتی توپوں میں تلوار اُن کی

پڑے اُس مشقت میں ہیں وہ سراپا — نتیجہ نہیں اُن کو معلوم جس کا
گئیں بھول آگے کی بھیڑیں جو بٹیا — اُسی راہ پر پڑ لیا سارا گلاّ

نہیں جانتے یہ کہ جاتے کدھر ہیں
گئے بھول رستہ وہ یا راہ پر ہیں

مثال اُن کی کوشش کی ہے صاف ایسی — کہ کھائی کہیں بندروں نے جو سردی
ادھر اور اُدھر دیر تک آگ ڈھونڈی — کہیں روشنی اُن کو پائی نہ اُس کی

مگر ایک جگنو چمکتا جو دیکھا
پتنگا اُسے آگ کا سب نے سمجھا

لیا جا کے تھام اور سب نے اُسی دم — کیا گھانس پھونس اُس پہ لا کر فراہم
لگے اُس کو سُلگانے سب مل کے پیہم — پہ کچھ آگ سُلگی نہ سردی ہوئی کم

یونہیں رات ساری اُنھوں نے گنوائی
مگر اپنی محنت کی راحت نہ پائی

گزرتے تھے جو جانور اس طرف سے — جب اس کشمکش میں انہیں دیکھتے تھے
ملامت بہت سخت تھی اُن کو کرتے — کہ شرمائیں وہ عزم باطل سے اپنے

مگر اپنی کد سے نہ باز آتے تھے وہ
ملامت پہ اور اُلٹے غراتے تھے وہ

نہ سمجھے وہ جب تک ہوا دن نہ روشن — اسی طرح جو ہیں حقیقت کے دشمن
نہ جھاڑیں گے گردِ توہم سے دامن — پہ جب ہوگا نورِ سحر لمعہ افگن

بہت جلد ہو جائے گا آشکارا
کہ جگنو کو سمجھے تھے وہ اک شرارا

وہ طب جس پہ غش ہیں ہمارے اطبّا　　سمجھتے ہیں جس کو بیاض مسیحا
بتانے میں ہی بخل جس کے بہت سا　　جسے عیب کی طرح کرتے ہیں اخفا
فقط چند نسخوں کا ہی وہ سفینہ
چلے آئے ہیں جو کہ سینہ بسینہ

نہ اُن کو نباتات سے آگہی ہی　　نہ اصلا خبر معدنیات کی ہی
نہ تشریح کی لَے کسی پر کھلی ہی　　نہ علم طبیعی نہ کیمسٹری ہی
نہ پانی کا علم اور نہ علم ہوا ہی
مریضوں کا اُن کے نگہباں خدا ہی

نہ قانون میں اُن کے کوئی خطا ہی　　نہ مخزن میں انگشت رکھنے کی جا ہی
سدیدی میں لکھا ہی جو کچھ بجا ہی　　نفیسی کے ہر قول پر جاں فدا ہی
سلف لکھ گئے جو قیاس اور گماں سے
صحیفے ہیں اترے ہوئے آسماں سے

وہ شعر او رقصائد کا ناپاک دفتر　　عفونت میں سنڈاس سی جو ہی بدتر
زمیں جس سے ہی زلزلے میں برابر　　ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علم و دیں جس سے تاراج سارا
وہ ہی منظر علم انشا ہمارا

بُرا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہی   عبث جھوٹ بکنا اگر نا روا ہی
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہی   مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہی
گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

زمانے میں جتنے قلی اور نفر ہیں   کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گوّیے امیروں کے نورِ نظر ہیں   ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپ دِق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

جو سقّے نہ ہوں جی سے جائیں گزر سب   ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم بہ گر شہر چھوڑیں نفر سب   جو تھم جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
پہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

عرب جو تھے دنیا میں اس فن کے بانی   نہ تھا کوئی آفاق میں جن کا ثانی
زمانے نے جن کی فصاحت تھی مانی   مٹا دی عزیزوں نے اُن کی نشانی
سب اُن کے ہنر اور کمالات کھو کر
رہے شاعری کو بھی آخر ڈبو کر

ادب میں پڑی جان اُن کی زباں سے — جلا دین نے پائی اُن کے بیاں سے
سناں کے لیے کام اُنھوں نے لساں سے — زبانوں کے کوچے تھے بڑھ کر سناں سے

ہوئے اُن کے شعروں سے اخلاق صیقل
پڑی اُن کے خطبوں سے دنیا میں ہل چل

خلف اُن کے یاں جو کہ جادو بیاں ہیں — فصاحت میں مقبول پیر و جواں ہیں
بلاغت میں مشہور ہندوستاں ہیں — وہ کچھ ہیں تو لے دے کے اس گُن یہاں ہیں

کہ جب شعر میں عمر ساری گنوائیں
تو بھانڈ اُن کی غزلیں مجلس میں گائیں

طوائف کو ازبر ہیں دیوان اُن کے — گویّوں پہ بے حد ہیں احسان اُن کے
نکلتے ہیں تکیوں میں ارمان اُن کے — ثنا خواں ہیں ابلیس و شیطان اُن کے

کہ عقلوں پہ پردے دیے ڈال اُنھوں نے
ہمیں کر دیا فارغ البال اُنھوں نے

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہی — تباہ اُن کی حالت بُری اُن کی گت ہی
کسی کو کبوتر اُڑانے کی لت ہی — کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہی

چرس اور گلبخے پہ شیدا ہی کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہی کوئی

سدا گرم انفار سے ان کی صحبت — ہر اک رند و اوباش سے اُن کی ملت
پڑھے لکھوں کے سائے سے اُن کو وحشت — مدارس سے تعلیم سے اُن کو نفرت
کمینوں کے جرگے میں عمریں گنوائی
انھیں گالیاں دینی اور آپ کھائی

نہ علمی مدارس میں ہیں اُن کو پاتے — نہ شائستہ جلسوں میں ہیں آتے جاتے
پہ میلوں کی رونق ہیں جا کر بڑھاتے — پڑے پھرتے ہیں دیکھتے اور دکھاتے
کتاب اور معلم سے پھرتے ہیں بھاگے
مگر ناچ گانے میں ہیں سب سے آگے

اگر کیجے اُن پاک شہدوں کی گنتی — ہوا جن کے پہلو سے بچ کر ہے چلتی
ملی خاک میں جن سے عزت بڑوں کی — مٹی خاندانوں کی جس سے بزرگی
تو یہ جس قدر خانہ برباد ہوں گے
وہ سب ان شریفوں کی اولاد ہوں گے

ہوئی اُن کی بچپن میں یوں پاسبانی — کہ قیدی کی جیسے کٹے زندگانی
لگی ہونے جب کچھ سمجھ بوجھ سیانی — چڑھی بھوت کی طرح سر پر جوانی
بس اب گھر میں دشوار تھمنا ہی اُن کا
اکھاڑوں میں تکیوں میں رمنا ہی اُن کا

نشے میں مے عشق کے چور ہیں وہ　　　صف فوج مژگاں میں محصور ہیں وہ
غم چشم و ابرو میں رنجور ہیں وہ　　　بہت ہاتھ سے دل کے مجبور ہیں وہ

کریں کیا کہ ہی عشق طینت میں اُن کی
حرارت بھری ہی طبیعت میں اُن کی

اگر شش جہت میں کوئی دل رُبا ہی　　　تو دل اُن کا نادیدہ اُس پر فدا ہی
اگر خواب میں کچھ نظر آگیا ہی　　　تو یاد اُس کی دن رات نام خدا ہی

بھری سب کی وحشت سی روداد ہی یاں
جسے دیکھیے قیس و فرہاد ہی یاں

اگر ماں ہی دُکھیا تو اُن کی بلا سے　　　اپاہج ہے باوا تو اُن کی بلا سے
جو ہی گھر میں فاقہ تو اُن کی بلا سے　　　جو مرتا ہی کُنبا تو اُن کی بلا سے

جنھوں نے لگائی ہو لو دل ربا سے
غرض پھر انھیں کیا رہی ماسوا سے

نہ گالی سے دشنام سے جی چُرائیں　　　نہ جُوتی سے پیزار سے ہچکچائیں
جو میلوں میں جائیں تو لُچپن دکھائیں　　　جو محفل میں بیٹھیں تو فتنے اُٹھائیں

لرزتے ہیں اوباش اُن کی ہنسی سے
گریزاں ہیں رند اُن کی ہمسائگی سے

سپوتوں کو اپنے اگر بیاہ دیجے تو بہوؤں کا بوجھ اپنی گردن پہ لیجے
جو بیٹے کے پیوند کی فکر کیجے تو بدراہ ہیں بھانجے اور بھتیجے
یہی جھینکنا گھر بہ گھر ہے
بہو کو ٹھکانا نہ بیٹے کو بر ہے

نہ مطلب نگاری کا ان کو سلیقہ نہ دربارداری کا ان کو سلیقہ
نہ امیدواری کا ان کو سلیقہ نہ خدمت گزاری کا ان کو سلیقہ
قلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے

نہیں ملتی روٹی جنھیں پیٹ بھر کے وہ گزران کرتے ہیں سو عیب کر کے
جو ہیں اُن میں دو چار آسودہ گھر کے وہ دن رات خواہاں ہیں مرگِ پدر کے
نمونے یہ اعیانِ اشراف کے ہیں
سلف ان کے وُہ تھے خلف اُن کے یہ ہیں

وہ اسلام کی پود شاید یہی ہے کہ جس کی طرف آنکھ سب کی لگی ہے
بہت جس سے آیندہ چشم بہی ہے بقا منحصر جس پہ اسلام کی ہے
یہی جان ڈالے گی باغ کہن میں؟
اسی سے بہار آئے گی اس چمن میں

یہی ہیں وہ نسلیں مبارک ہماری کہ بخشیں گی جو دین کو استواری
کریں گی یہی قوم کی غمگساری انہیں پر امیدیں ہیں موقوف ساری
یہی شمع اسلام روشن کریں گی
بڑوں کا یہی نام روشن کریں گی

خلف اُن کے الحق اگر ہاں یہی ہیں سلف کے اگر فاتحہ خواں یہی ہیں
اگر یادگارِ عزیزاں یہی ہیں اگر نسل اشراف و اعیاں یہی ہیں
تو یاد اس قدر ان کی رہ جائے گی یاں
کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یاں

سمجھتے ہیں شائستہ جو آپ کو یاں ہیں آزادیِ رائے پر جو کہ نازاں
چلن پر ہیں جو قوم کے اپنی خنداں مسلماں ہیں سب جن کے نزدیک ناداں
جو ڈھونڈو گے یاروں کے ہمدرد اُن میں
تو نکلیں گے تھوڑے جواں مرد اُن میں

نہ رنج اُن کے افلاس کا اُن کو اصلا نہ فکر اُن کی تعلیم اور تربیت کا
نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا اُڑانا مگر مفت ایک اک کا خاکا
کہیں اُن کی پوشاک پر طعن کرنا
کہیں اُن کی خوراک کو نام دھرنا

عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا نشانہ اُسے پھبتیوں کا بنانا
شماتت سے دل بھائیوں کا دُکھانا یگانوں کو بیگانہ بن کر چڑانا
نہ کچھ درد کی چوٹ اُن کے جگر میں
نہ قطرہ کوئی خون کا چشم تر میں

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہی پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہی
نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہی کوئی اُن میں سوتا کوئی جاگتا ہی
جو سوتے ہیں وہ مست خواب گراں ہیں
جو بیدار ہیں اُن پہ خندہ زناں ہیں

کوئی اُن سے پوچھے کہ اے ہوش والو کس امید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو
بُرا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو
بچوگے نہ تم اور ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

غرض عیب کیجے بیاں اپنے کیا کیا کہ بگڑا ہوا یاں ہی آوے کا آوا
فقیہہ اور جاہل ضعیف اور توانا تاسف کے قابل ہی احوال سب کا
مریض ایسے مایوس دنیا میں کم ہیں
بگڑ کر کبھی جو نہ سنبھلیں وہ ہم ہیں

کسی نے یہ اک مرد دانا سے پوچھا　　کہ نعمت ہی دنیا میں سب سے بڑی کیا

کہا "عقل جس سے ملے دین و دنیا"　　کہا "گر نہ ہو اُس سے انساں کو بہرہ"

کہا "پھر اہم سب سے علم و ہنر ہی

کہ جو باعثِ افتخارِ بشر ہی"

کہا "گر نہ ہو یہ بھی اُس کو میسر"　　کہا "مال و دولت ہی پھر سب سے بڑھ کر"

کہا "زر ہو یہ بھی اگر بند اُس پر"　　کہا "اُس پہ بجلی کا گرنا ہی بہتر"

وہ ننگِ بشر تا کہ ذلت سے چھوٹے

خلائق سب اُس کی نحوست سے چھوٹے

مجھے ڈر ہی اے میرے ہم قوم یارو　　مبادا کہ وہ ننگِ عالم تمھیں ہو

گر اسلام کی کچھ حمیت ہی تم کو　　تو جلدی سے اُٹھو اور اپنی خبر لو

وگرنہ یہ قول آئے گا راست تم پر

کہ ہونے سے ان کا نہ ہونا ہے بہتر

رہوگے یونہیں فارغ البال کب تک　　نہ بدلوگے یہ چال اور ڈھال کب تک

رہے گی نئی پود پامال کب تک　　نہ چھوڑوگے تم بھیڑیا چال کب تک

بس اگلے فسانے فراموش کردو

تعصب کے شعلے کو خاموش کردو

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں — ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں — کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں

تسلط ہے ملکوں میں امن واماں کا
نہیں بند رستہ کسی کارواں کا

نہ بدخواہ ہے دین و ایماں کا کوئی — نہ دشمن حدیث اور قرآں کا کوئی
نہ ناقص ہے ملت کے ارکاں کا کوئی — نہ مانع شریعت کے فرماں کا کوئی

نمازیں پڑھو بے خطر معبدوں میں
اذانیں دھڑلے سے دو مسجدوں میں

کھلی ہیں سفر اور تجارت کی راہیں — نہیں بند صنعت کی حرفت کی راہیں
جو روشن ہیں تحصیل حکمت کی راہیں — تو ہموار ہیں کسب دولت کی راہیں

نہ گھر میں غنیم اور دشمن کا کھٹکا
نہ باہر ہے قزاق و رہزن کا کھٹکا

مہینوں کے کٹتے ہیں رستے پلوں میں — گھروں سے سوا چین ہے منزلوں میں
ہر اک گوشہ گلزار ہے جنگلوں میں — شب و روز ہے ایمنی قافلوں میں

سفر جو کبھی تھا نمونہ سقر کا
وسیلہ ہے وہ اب سراسر ظفر کا

پہنچتی ہیں ملکوں سے دم دم کی خبریں　　چلی آتی ہیں شادی و غم کی خبریں
عیاں ہیں ہر ایک بر اعظم کی خبریں　　کھلی ہیں زمانے پہ عالم کی خبریں
نہیں واقعہ کوئی پنہاں کہیں کا
ہے آئینہ احوال روئے زمیں کا

کرو قدر اس امن و آزادگی کی　　کہ ہے صاف ہر سمت راہ ترقی
ہر اک راہ رو کا زمانہ ہے ساتھی　　یہ ہر سو سے آواز پیہم ہے آتی
کہ دشمن کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر ہے
نکل جاؤ رستہ ابھی بے خطر ہے

بہت قافلے دیر سے جا رہے ہیں　　بہت بوجھ بار اپنے لدوا رہے ہیں
بہت چل چلاؤ میں گھبرا رہے ہیں　　بہت سے نہ چلنے سے پچھتا رہے ہیں
مگر اک تمھیں ہو کہ سوتے ہو غافل
مبادا کہ غفلت میں کھوٹی ہو منزل

نہ بدخواہ سمجھو بس اب یاوروں کو　　لٹیرے نہ ٹھہراو تم رہبروں کو
دو الزام پیچھے نصیحت گروں کو　　ٹٹولو ذرا پہلے اپنے گھروں کو
کہ خالی ہیں یا پُر ذخیرے تمھارے
برے ہیں کہ اچھے وتیرے تمھارے

امیروں کی تم سن چکے داستاں سب چلن ہو چکے عالموں کے بیاں سب
شریفوں کی حالت ہے تم پر عیاں سب بگڑنے کو بیٹھے ہیں تیاریاں سب

یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے
ستوں مرکز ثقل سے ہٹ چکا ہے

یہ جو کچھ ہوا ایک شمہ ہے اس کا کہ جو وقت یاروں پہ ہے آنے والا
زمانے نے اونچے سے جس کو گرایا وہ آخر کو مٹی میں مل کر رہے گا

نہیں گرچہ کچھ قوم میں حال باقی
ابھی اور ہونا ہے پامال باقی

یہاں ہر ترقی کی غایت یہی ہے سر انجام ہر قوم و ملت یہی ہے
سدا سے زمانے کی عادت یہی ہے طلسم جہاں کی حقیقت یہی ہے

بہت یاں ہوئے خشک چشمے ابل کر
بہت باغ چھانٹے گئے پھول پھل کر

کہاں ہیں وہ اہرام مصری کے بانی کہاں ہیں وہ گردان زابلستانی
گئے پیشدادی کدھر اور کیانی مٹا کر رہی سب کو دنیائے فانی

لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

وہی ایک ہی جس کو دائم بقا ہی　　جہاں کی وراثت اُسی کو سزا ہی

سوا اُس کے انجام سب کا فنا ہی　　نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہی

مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب

غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب

بس اے نا امیدی نہ یوں دل بجھا تو — جھلک اے امید اپنی آخر دکھا تو
ذرا نا امیدوں کی ڈھارس بندھا تو — فسردہ دلوں کے دل آخر بڑھا تو
ترے دم سے مردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

سفینہ پئے نوح طوفاں میں تو تھی — سکوں بخش یعقوب کنعاں میں تو تھی
زلیخا کی غمخوار ہجراں میں تو تھی — دل آرام یوسف کی زنداں میں تو تھی
مصائب نے جب آن کر اُن کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا

بہت ڈوبتوں کو ترایا ، ہی تو نے — بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تو نے
اُکھڑتے دلوں کو جمایا ، ہی تو نے — اُجڑتے گھروں کو بسایا ہی تو نے
بہت تو نے پستوں کو بالا کیا ہی
اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہی

قوی تجھ سے ہمت ہی پیر و جواں کی | بندھی تجھ سے ڈھارس ہی خُرد و کلاں کی

تجھی پر ہی بنیاد نظمِ جہاں کی | نہ ہو تو تو رونق نہ ہو اس دکاں کی

لگا ہو ہی ہر مرحلے میں تجھی سے

روا رو ہی ہر قافلہ میں تجھی سے

کسانوں سے کلر میں تو ہے بُواتی | جہازوں کو گرداب میں ہے کھواتی

سکندر کو دارا پہ تو ہی چڑھاتی | فریدوں کو ضحاک سے ہے لڑاتی

چلے سب جدھر تو نے مائل عناں کی

نظر تیری سیٹی پہ ہی کارواں کی

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے | تونگر بنایا گداؤں کو تو نے

دیا دست رس نارواؤں کو تو نے | کیا بادشہ ناخداؤں کو تو نے

سکندر کو شانِ کئی تو نے بخشی

کلمبس کو دنیا نئی تو نے بخشی

وہ رہ رو نہیں رکھتے جو کوئی ساماں | خور و زاد سے جن کا خالی ہی داماں

نہ ساتھی کوئی جس سے منزل ہو آساں | نہ محرم کوئی جو سُنے درد پنہاں

ترے بل پہ خوش خوش ہیں اس طرح جاتے

کہ جا کر خزانہ ہیں اب کوئی پاتے

زمیں جوتنے کو جب اُٹھتا ہی جوتا سمیں کا گماں تک نہیں جب کہ ہوتا
شب و روز محنت میں ہی جان کھوتا مہینوں نہیں پاؤں پھیلا کے سوتا
اگر موج زن اُس کے دل میں نہ تو ہو
تو دنیا میں غل بھوک کا چار سو ہو

بنے اس سے بھی گر سوا اپنے دم پر بلاؤں کا ہو سامنا ہر قدم پر
پہاڑ اک فزوں اور رہو کوہِ غم پر گزرتی ہی جو کچھ گزر جائے ہم پر
نہیں فکر تو دل بڑھاتی ہی جب تک
دماغوں میں بو تیری آتی ہی جب تک

یہ سچ ہی کہ حالت ہماری زبوں ہی عزیزوں کی غفلت وہی جوں کی توں ہی
جہالت وہی قوم کی رہنموں ہی تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہی
مگر اے امید اک سہارا ہی تیرا
کہ جلوہ یہ دنیا میں سارا ہی تیرا

نہیں قوم میں گرچہ کچھ جان باقی نہ اُس میں وہ اسلام کی شان باقی
نہ وہ جاہ و حشمت کے سامان باقی پر اس حال میں بھی ہی اک آن باقی
بگڑنے کا گو اُن کے وقت آگیا ہی
مگر اس بگڑنے میں بھی اک ادا ہی

بہت ہیں ابھی جن میں غیرت ہی باقی
دلیری نہیں پر حمیت ہی باقی

فقیری میں بھی بو ہے ثروت ہی باقی
تہی دست ہیں پر مروت ہی باقی

مٹے پر بھی پندار ہستی وہی ہی
مکاں گرم ہے آگ گو بجھ گئی ہی

سمجھتے ہیں عزت کو دولت سے بہتر
فقیری کو ذلت کی شہرت سے بہتر

گلیم قناعت کو ثروت سے بہتر
انھیں موت ہی بار منت سے بہتر

سر اُن کا نہیں در بدر جھکنے والا
وہ خود پست ہیں پر نگاہیں ہیں بالا

مشابہ ہی قوم اُس مریض جواں سے
کیا ضعف نے جس کو مایوس جاں سے

نہ بستر سے حرکت نہ جنبش مکاں سے
اجل کے ہیں آثار جس پر عیاں سے

نظر آتے ہیں سب مرض جس کے مزمن
نہیں کوئی مہلک مرض اُس کو لیکن

بجا ہیں حواس اُس کے اور ہوش قائم
طبیعت میں میل خور و نوش قائم

دماغ اور دل چشم اور گوش قائم
جوانی کا پندار اور جوش قائم

کرے کوئی اُس کی اگر غور کامل
عجب کیا جو ہو جائے زندوں میں شامل

عیاں سب پہ احوال بیمار کا ہی کہ تیل اُس میں جو کچھ تھا سب جل چکا ہی
موافق دوا ہی نہ کوئی غذا ہی ہُزالِ بدن ہی زوالِ قویٰ ہی
مگر ہی ابھی یہ دیا ٹمٹماتا
بجھا جو کہ ہی یاں نظر سب کو آتا

یہ سچ ہی کہ ہی قوم میں قحط انساں نہیں قوم کے پر سب افراد یکساں
سفال و خزف کے ہیں انبار گر یاں جواہر کے ٹکڑے بھی ہیں ان میں پنہاں
چھپے سنگ ریزوں میں گوہر بھی ہیں کچھ
ملے ریت میں ریزۂ زر بھی ہیں کچھ

جو بے غم ہیں ان میں تو غم خوار بھی ہیں جو بے مہر ہیں کچھ تو کچھ یار بھی ہیں
انھیں غافلوں میں خبردار بھی ہیں خرابات میں چند ہشیار بھی ہیں
جماعت سے اپنی نرالے بھی ہیں یاں
نکموں میں کچھ کام والے بھی ہیں یاں

جو چاہیں پلٹ دیں یہی سب کی کایا کہ اک اک نے ملکوں کو ہی یاں جگایا
اکیلوں نے ہی قافلوں کو بچایا جہازوں کو ہی زورقوں نے ترایا
یونہیں کام دنیا کا چلتا رہا ہی
دیئے سے دیا یونہیں جلتا رہا ہی

یہ سچ ہی کہ ہیں بیشتر ہم میں ناداں　　نہیں جن کے درد تعصب کا درماں
جہاں میں ہیں جو ان کی عزت کے خواہاں　　انھیں سے وہ رہتے ہیں دست و گریباں

یہ ایسے بھی کچھ ہوتے جاتے ہیں پیدا
کہ جو خیر خواہوں پہ ہیں اپنے شیدا

کوئی خیر خواہی میں ہی ہمسر اُن کا　　کوئی دست و بازو سے ہی یاور اُن کا
کوئی ہی زباں سے ستائش گر اُن کا　　بہت رکھتے ہیں نقش حُب دل پر اُن کا

بہت اُن کے گن سنتے ہیں چپکے چپکے
بہت سن کے سر دھنتے ہیں چپکے چپکے

بہت دن سے دریا کا پانی کھڑا تھا　　تموّج کا جس میں نہ ہرگز پتا تھا
تغیر سے یہ حال اُس کا ہوا تھا　　کہ مکروہ تھی بو تو کڑوا مزا تھا

ہوئی تھی یہ پانی سے زائل روانی
کہ مشکل سے کہہ سکتے تھے اُس کو پانی

پر اب اُس میں رو کچھ کچھ آنے لگی ہی　　کناروں کو اُس کے ہلانے لگی ہی
ہوا بلبلے کچھ اُٹھانے لگی ہی　　عفونت وہ پانی سے جانے لگی ہی

اگر ہو نہ یہ انقلاب اتفاقی
تو دریا میں بس اک تموّج ہی باقی

حوادث نے اُن کو ڈرایا ہی کچھ کچھ مصائب نے نیچا دکھایا ہی کچھ کچھ
ضرورت نے رستہ دکھایا ہی کچھ کچھ زمانے کے غُل نے جگایا ہی کچھ کچھ

ذرا دست و بازو ہلانے لگے ہیں
وہ سوتے میں کچھ کلبلانے لگے ہیں

رہِ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے تعلّی سے ہیں اپنی شرماتے جاتے
تفاخر سے ہیں اپنے بچتاتے جاتے سُراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے

بزرگی کے دعووں سے پھرنے لگے ہیں
وہ خود اپنی نظروں سے گرنے لگے ہیں

نہیں گھاٹ پر گو ترقی کے آتے نئی بات سے ناک بھوں ہیں چڑھاتے
نئی روشنی سے ہیں آنکھیں چُراتے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہیں کہتے جاتے

کہ دنیا نہیں گرچہ رہنے کے قابل
پر اس طرح دنیا میں رہنا ہے مشکل

تنزل پہ وہ ہات ملنے لگے ہیں کچھ اس سوز سے جی پگھلنے لگے ہیں
دھوئیں کچھ دلوں سے نکلنے لگے ہیں کچھ آرے سے سینوں پہ چلنے لگے ہیں

وہ غفلت کی راتیں گذرنے کو ہیں اب
نشے جو چڑھے تھے اُترنے کو ہیں اب

نہیں گرچہ کچھ درد اسلام اُن کو نہ بہبودی قوم سے کام اُن کو
نہ کچھ فکرِ آغاز و انجام اُن کو برابر ہی ہو صبح یا شام اُن کو
مگر قوم کی سن کے کوئی مصیبت
نہیں کچھ نہ کچھ آہی جاتی ہی رقّت

خصومت سی ہیں اپنی گو خواریاں سب نزاعوں سے باہم کی ہیں ناتواں سب
خود آپس کی چوٹوں سی ہیں خستہ جاں سب یہ ہیں متفق اس پہ پیر و جواں سب
کہ نا اتفاقی نے کھویا ہی ہم کو
اسی جزر و مد نے ڈبویا ہی ہم کو

یہ مانا کہ کم ہم میں ہیں ایسے دانا جنھوں نے حقیقت کو ہی اپنی چھانا
تنزل کو ہی ٹھیک ٹھیک اپنے جانا کہ ہم ہیں کہاں اور کہاں ہی زمانہ
یہ اتنا زبانوں یہ ہی سب کے جاری
کہ حالت بُری آج کل ہی ہماری

فرائض میں گو دین کے سب ہیں قاصر نہ مشغول باطن نہ پابند ظاہر
مساجد سے غائب ملاہی میں حاضر مگر ایسے فاسق ہیں اُن میں نہ فاجر
کہ مذہب پہ حملے ہیں جو ہر طرف سے
وہ دیکھ اُن کو ہٹ جائیں راہِ سلف سے

خود اپنی ہی گو قدر و قیمت گنوائی یہ بھولے نہیں ہیں بڑوں کی بڑائی
جو آپ اُن کی خوبی نہیں کوئی پائی تو ہیں خوبیوں پر اُنھیں کے فدائی
شرف گو کہ باقی نہیں اُن میں اب کچھ
مگر خواب میں دیکھ لیتے ہیں سب کچھ

ذرا پھر کے پیچھے وہ جب دیکھتے ہیں وہ اپنا حسب اور نسب دیکھتے ہیں
بزرگوں کا علم و ادب دیکھتے ہیں سرافرازی جدّ و اَب دیکھتے ہیں
تو ہیں فخر سے وہ کبھی سر اُٹھاتے
کبھی ہیں ندامت سے گردن جھکاتے

اگر کچھ بھی باقی ہو یاروں میں ہمت تو اُن کا یہی افتخار اور ندامت
شگون سعادت ہے اور فال دولت کہ آتی ہے کچھ اس سے بوئے حمیت
وہ کھو بیٹھے آخر کمائی بڑوں کی
بُھلا دی جنھوں نے بڑائی بڑوں کی

اسیری میں جو گرم فریاد ہیں یاں وہی آشیاں کرتے آباد ہیں یاں
قفس سے وہی ہوتے آزاد ہیں یاں چمن کے جنھیں پیچھے یاد ہیں یاں
وہ شاید قفس ہی میں عمریں گنوائیں
گئیں بُھول صحرا کی جن کو فضائیں

بلندی میں ہوں یا کہ پستی میں ہوں ہم　　قوی ہوں کہ کمزور افزوں ہوں یا کم
محقر زمانے میں ہوں یا مکرم　　مؤخر ہوں اس بزم میں یا مقدم

عبا میں ہوں پوشیدہ یا شال میں ہوں
کسی رنگ میں ہوں کسی حال میں ہوں

اگر با خبر ہیں حقیقت سے اپنی　　تلف کی ہوئی اگلی عظمت سے اپنی
بلندی و پستی کی نسبت سے اپنی　　گذشتہ اور آیندہ حالت سے اپنی

تو سمجھو کہ ہی پار بیڑا ہمارا
نہیں دور منجدھار سے کچھ کنارا

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا　　کہ قومیں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں اُن کی اقبال مندی کے ہیں کیا　　کہ اقبال مند اُن کو کہنا ہی زیبا

کہا ملک و دولت ہو ہاتھ اُن کی جب تک
جہاں ہو کمر بستہ ساتھ اُن کے جب تک

جہاں جائیں وہ سرخ رو ہو کے آئیں　　ظفر ہم عناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں　　نہ اُکھڑیں قدم جس جگہہ وہ جمائیں

کریں مس کو گر مس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہات ڈالیں طلا ہو

ولی عہد کی جب کہ باتیں سنیں یہ ۔ ہنسا سُن کے فرزانۂ دُور بیں یہ
کہا جانِ عالم گپ ہی گو دلنشیں یہ ۔ مگر شرطِ اقبال ہرگز نہیں یہ
حوادث سے بن گزارا نہیں یاں
بلندی و پستی سے چارا نہیں یاں

بہم ہے کبھی گاہ برہم ہے محفل ۔ کٹھن ہے کبھی گاہ آساں ہے منزل
زمانے کی گردش سے بچنا ہے مشکل ۔ نہ محفوظ ہیں اس سے مدبر نہ مقبل
بہت یکہ تازوں کو یاں گرتے دیکھا
سدا شہسواروں کو یاں گرتے دیکھا

جہاں سود ہے یاں وہیں ہے زیاں بھی ۔ جہاں روشنی ہے وہیں ہے دھواں بھی
سقر بھی ہے یہ خاکداں اور جناں بھی ۔ بہاریں بھی ہیں اس چمن میں خزاں بھی
نکھرتے ہیں جو یاں وہ گدلاتے بھی ہیں
چمکتے ہیں جو یاں وہ گہناتے بھی ہیں

ضعیف اور قوی ارمنی اور عراقی ۔ چکھاتا ہے دُردِ قدح سب کو ساقی
یہ اقبال کی ہے رمق جن میں باقی ۔ یہ سب تلخیاں اُن کی ہیں اتفاقی
بلاؤں میں گھر کر نکل جاتے ہیں وہ
ذرا ڈگمگا کر سنبھل جاتے ہیں وہ

نہیں ہوتے نیرنگ گردوں سے حیراں　　ہر اک درد کا ڈھونڈ لیتے ہیں درماں
اٹھاتے نہیں کچھ حوادث سے نقصاں　　وہ چونک اٹھتے ہیں دیکھ خواب پریشاں

بھڑکتے ہیں افسردہ ہو کر سوا وہ
پھبکتے ہیں پژمردہ ہو کر سوا وہ

پگھلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر　　لگاتے ہیں غوطہ اچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر　　وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر

سبب کو مرض سے سمجھتے ہیں پہلے
الجھتے ہیں پیچھے سلجھتے ہیں پہلے

ضرورت نہیں یہ کہ فرماں روا ہوں　　رعیّت ہوں وہ خواہ کشور کشا ہوں
سپاہی ہوں تاجر ہوں یا ناخدا ہوں　　وہ کچھ ہوں یہ اپنے سے واقف ذرا ہوں

کہ ہم کیا ہیں اور کون ہیں اور کہاں ہیں
گھٹے یا بڑے ہیں سبک یا گراں ہیں

جب آئی انھیں ہوش کچھ وقت کھو کر　　رہیں بیٹھ قسمت کو اپنی نہ رو کر
کریں کوششیں سب بہم ایک ہو کر　　رہیں داغ ذلّت کا دامن سے دھو کر

نہ ہو تاب پرواز گر آسماں تک
تو واں تک اڑیں ہو رسائی جہاں تک

پڑا ہی وہی وقت اب ہم پہ آکر — کہ اُٹھے ہیں سوتے بہت دن چڑھا کر
سواروں نے کی راہ لی باگ اُٹھا کر — گئے قافلے ٹھہر منزل پہ جا کر

گر افتاں و خیزاں سدھارے بھی اب ہم
تو پہنچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم

مگر بیٹھ رہنے سے چلنا ہی بہتر — کہ ہے اہلِ ہمت کا اللہ یاور
جو ٹھنڈک میں چلنا نہ آیا میسّر — تو پہنچیں گے ہم دھوپ کھا کھا کے سر پر

یہ تکلیف و راحت ہے سب اتفاقی
چلو اب بھی ہے وقت چلنے کا باقی

ہُوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے — لیا جس نے پھل بیج بو کر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے — مثل ہے کہ کرتے کی سب بِدّیا ہے

یونہیں وقت سو سو کے جو ہیں گنواتے
وہ خرگوش کچھووں سے ہیں زک اُٹھاتے

یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری — جہاں دیکھیے فیض اسی کا ہے جاری
یہی ہے کلیدِ درِ فضلِ باری — اسی پر ہے موقوف عزت تمہاری

اسی سے ہے قوموں کی یاں آبرو سب
اسی پر ہیں مغرور ہیں اور تو سب

گلستاں میں جوبن گل و یاسمن کا سماں زلفِ سنبل کی تاب و شکن کا
قدِ دل رُبا سرو اور نارون کا رُخِ جاں فزا لالہ و نسترن کا

غریبوں کی محنت کی ہر رنگ و بو سب
کمیروں کے خوں سے ہیں یہ تازہ رو سب

ہلاتے نہ اگلے اگر دستِ بازو جہاں عطرِ حکمت سے ہوتا نہ خوشبو
نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو نہ حق پھیلتا رُبعِ مسکوں میں ہر سو

حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

ستارہ شریعت کا تاباں نہ ہوتا اثر علمِ دیں کا نمایاں نہ ہوتا
جُدا کفر سے نورِ ایماں نہ ہوتا مساجد میں یوں وردِ قرآں نہ ہوتا

خدا کی ثنا معبدوں میں نہ ہوتی
اذاں جا بجا مسجدوں میں نہ ہوتی

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا کہ ارکانِ دیں بھی اسی پر ہیں برپا
جنھیں ہو نہ دنیائے فانی کی پروا کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا

نہیں ملتے دنیا کی خاطر اگر تم
تو لو دینِ حق کی ہی اُٹھ کر خبر تم

بنی نوع میں دو طرح کے ہیں انساں — تفاوت ہے حالت میں جن کی نمایاں
کچھ اُن میں ہیں راحت طلب اور تن آساں — بدن کے نگہبان بستر کے دربان
نہ محنت پہ مائل نہ قدرت کے قائل
سمجھتے ہیں تنکے کو رستے میں حائل

اگر ہیں تونگر تو بے کار ہیں سب — اپاہج ہیں روگی ہیں بیمار ہیں سب
تعیش کے ہاتھوں سے لاچار ہیں سب — تن آسانیوں میں گرفتار ہیں سب
برابر ہے یاں اُن کا ہونا نہ ہونا
نہ کچھ جاگنا اُن کا بہتر نہ سونا

اگر ہیں تہی دست اور بے نوا وہ — تو محنت سے ہیں جی چُراتے سدا وہ
نصیبوں کا کرتے ہیں اکثر گلا وہ — ہلاتے نہیں کچھ مگر دست و پا وہ
اگر بھیک مل جائے قسمت سے اُن کو
تو سو بار بہتر ہے محنت سے اُن کو

نہ جو بے نوا ہیں نہ ہیں کچھ تونگر — وہ ہیں ڈھور کی طرح قانع اسی پر
کہ کھانے کو ملتا رہے پیٹ بھر کر — نہیں بڑھتے بس اس سے آگے قدم بھر
ہوئے زیور آدمیت سے عاری
معطل ہوئیں قوّتیں ان کی ساری

نہ ہمت کہ محنت کی سختی اٹھائیں — نہ جرأت کہ خطروں کے میداں میں آئیں
نہ عزت کہ ذلت سے پہلو بچائیں — نہ غیرت کہ دنیا کی سمجھیں ادائیں
نہ کل فکر تھا یہ کہ ہیں اس کے پھل کیا
نہ ہے آج پروا کہ ہوتا ہے کل کیا

نہیں کرتے کھیتی میں وہ جاں فشانی — نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
پہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی — تو کہتے ہیں حق کی ہے نامہربانی
نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ہیچ ہیں سب یہ ساماں — کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
دھرے سب یہ رہ جائیں گے کاخ و ایواں — نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں
ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا

یہ سرگرم کوشش میں جو روز و شب ہیں — اٹھاتے سدا بار رنج و تعب ہیں
ترقی کے میداں میں سبقت طلب ہیں — نمائش پہ دنیا کی بھولے یہ سب ہیں
نہیں ان کو کچھ اپنی محنت سے لہنا
بناتے ہیں وہ گھر نہیں جس میں رہنا

کبھی کرتے ہیں عقل انساں پہ نفریں　　کہ با وصف کوتاہ بینی ہے خود بیں
وہ تدبیریں اس طرح کرتی ہے تلقیں　　کہ گویا کھلا اس پہ ہے سر تکویں

مگر سب خیالات ہیں خام اُس کے
ادھورے ہیں جتنے ہیں یاں کام اُس کے

نہ اسبابِ راحت کی اُس کو خبر کچھ　　نہ آثارِ دولت کی اُس کو خبر کچھ
نہ عزت نہ ذلت کی اُس کو خبر کچھ　　نہ کلفت نہ راحت کی اُس کو خبر کچھ

نہ آگاہ اس سے کہ ہستی ہے شے کیا
نہ واقف کہ مقصودِ ہستی سے ہے کیا

کبھی کہتے ہیں زہر ہے مال و دولت　　اٹھاتے ہیں جس کے لئے رنج و محنت
اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت　　اسی سے دماغوں میں آتی ہے نخوت

یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل
ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پہ نازل

کبھی کہتے ہیں سعی و کوشش سے حاصل　　کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل
نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل　　برابر ہیں یاں محنتی اور کاہل

ہلانے سے روزی کی گرہ ڈور ہلتی
تو روٹی نکموں کو ہرگز نہ ملتی

نجومی کے ہیں سب یہ دلکش ترانے ٭ سُلانے کو قسمت کے رنگیں فسانے
اسی طرح کے کر کے حیلے بہانے ٭ نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے
وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

سُنی تم نے یہ جس جماعت کی حالت ٭ تنزل کی بنیاد ہے یہ جماعت
بگڑتی ہیں قومیں اسی کی بدولت ٭ ہوا اس کی ہے مفسد ملک و ملت
کیا صور و صیدا کو برباد اسی نے
بگاڑا دمشق اور بغداد اسی نے

جہاں ہے زمیں پر نحوست ہے ان کی ٭ جدھر ہے زمانے میں نکبت ہے ان کی
مصیبت کا پیغام کثرت ہے ان کی ٭ تباہی کا لشکر جماعت ہے ان کی
وجود ان کا اصل البلیات ہے یاں
خدا کا غضب ان کی بہتات ہے یاں

سب ایسے تن آسان و بے کار و کاہل ٭ تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل
نہیں ان سے کچھ نوعِ انساں کو حاصل ٭ نہیں ان کی صحبت، کہ ہے سم قاتل
یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

جہاں بڑھ گئی ان کی تعداد حد سے — ہوئی قوم محسوب سب دام و دد سے
رہا اس کو بہرہ نہ حق کی مدد سے — وہ اب بچ نہیں سکتی نکبت کی زد سے

بچو ایسے شوموں کی پرچھائیوں سے
ڈرو ایسے چپ چاپ یغمائیوں سے

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے — شرف جس سے نوع بشر کو ملا ہے
سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے — سب اس باغ کی جن سے نشو و نما ہے

ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر
بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ مہلت طلب وہ — لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ
نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ — بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ

وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

چنیں گر نہ وہ ہوں کھنڈر کاخ و ایواں — بُنیں گر نہ وہ شاہ و کشور ہوں عریاں
جو بوئیں نہ وہ تو ہوں جاں دادۂ جاں — جو چھانٹیں نہ وہ تو ہوں جنگل گلستاں

یہ چلتی ہے گاڑی انہیں کے سہارے
جو وہ کل سے بیٹھیں تو بے کل ہوں سارے

کھپاتے ہیں کوشش میں تابِ تواں کو گھلاتے ہیں محنت میں جسم و رواں کو
سمجھتے نہیں اس میں جان اپنی جاں کو وہ مر مر کے رکھتے ہیں زندہ جہاں کو
بس اس طرح جینا عبادت ہے اُن کی
اور اس دُھن میں مرنا شہادت ہے اُن کی

مشقت میں عمر اُن کی کٹتی ہے ساری نہیں آتی آرام کی اُن کے باری
سدا بھاگ دوڑ اُن کی رہتی ہے جاری نہ آندھی میں عاجز نہ مینہ میں ہے عاری
نہ لو جیٹھ کی دم ترڑاتی ہے اُن کا
نہ ٹھر ماہ کی جی چھڑاتی ہے اُن کا

نہ احباب کی تیغِ احساں کے گھائل نہ بیٹے سے طالب نہ بھائی سے سائل
نہ دُکھ درد میں سوئے آرام مائل نہ دریا و کوہ اُن کے رستے میں حائل
سُنے ہوں کبھی رستم و سام جیسے
غیور اب بھی لاکھوں ہیں گمنام ویسے

کسی کو یہ دُھن ہے کہ جو کچھ کمائیں کھلائیں کچھ اوروں کو کچھ آپ کھائیں
کسی کو یہ کد ہے کہ جھیلیں بلائیں یہ احساں کسی کا نہ ہرگز اُٹھائیں
کوئی محو ہے فکرِ فرزند و زن میں
کوئی چور ہے حبِّ اہلِ وطن میں

جو مصروف ہی کاشتکاری میں کوئی　　تو مشغول دوکانداری میں کوئی
عزیزوں کی ہی غمگساری میں کوئی　　ضعیفوں کی خدمت گذاری میں کوئی

یہ ہی اپنی راحت کے سامان کرتا
وہ کنبے پہ ہی جان قربان کرتا

کوئی اس تگ و دو میں بیتاب ہر دم　　کہ دولت جہاں تک ہو کیجے فراہم
رہیں جیتے جی تا کہ خود شاد و خرم　　مریں جب تو دل پر نہ لے جائیں یہ غم

کہ بعد اپنے کھائیں گے فرزند و زن کیا
لباس اُن کا اور اپنا ہوگا کفن کیا

بہت دل میں اپنے یہ رکھتے ہیں ارماں　　کہ کر جائیں یاں کوئی کار نمایاں
وہ ہوں تا کہ جب چشم عالم سے پنہاں　　تو ذکر جمیل ان کا باقی رہے یاں

یہی طالب شہرت و نام لاکھوں
بناتے ہیں جمہور کے کام لاکھوں

بہت مخلص اور پاک بندے خدا کے　　نشاں جن سے قائم ہیں صدق و صفا کے
نہ شہرت کے خواہاں نہ طالب ثنا کے　　نمائش سے بیزار دشمن ریا کے

ریاضت سب اُن کی خدا کے لئے ہی
مشقت سب اُس کی رضا کے لیے ہی

کوئی اُن میں ہے حق کی طاعت پہ مفتوں کوئی نام حق کی اشاعت پہ مفتوں
کوئی زہد و صبر و قناعت پہ مفتوں کوئی پند و وعظ و جماعت پہ مفتوں

کوئی موج سے آپ کو ہے بچاتا
کوئی ناؤ ہے ڈوبتوں کی تراتا

بہت نوع انساں کے غمخوار و یاور ہوا خواہ ملت بہ اندیش کشور
شدائد کے دریائے خوں میں شناور جہاں کی پر آشوب کشتی کے لنگر

ہر اک قوم کی ہست و بود اُن سے ہے یاں
سب اس انجمن کی نمود اُن سے ہے یاں

کسی پر ہو سختی صعوبت ہے اُن پر کسی کو ہو غم رنج و کلفت ہے اُن پر
کہیں ہو فلاکت مصیبت ہے اُن پر کہیں آئے آفت قیامت ہے اُن پر

کسی پر چلیں تیر آماج یہ ہیں
لٹے کوئی رہ گیر تاراج یہ ہیں

یہ ہیں خشرتک بات پر اڑنے والے یہ پیماں کو میخوں سے ہیں جڑنے والے
یہ فوج حوادث سے ہیں لڑنے والے یہ غیروں کی ہیں آگ میں پڑنے والے

امنڈتا ہے رکنے سے اور ان کا دریا
جنوں سے زیادہ ہے کچھ ان کا سودا

جما تے ہیں جب پاؤں ہٹتے نہیں یہ　　بڑھا کر قدم پھر پلٹتے نہیں یہ
گئے پھیل جب پھر سمٹتے نہیں یہ　　جہاں بڑھ گئے بڑھ کے گھٹتے نہیں یہ
مہم بن کئے سر نہیں بیٹھتے یہ
جب اٹھتے ہیں اٹھ کر نہیں بیٹھتے یہ

خدا نے عطا کی ہے جو ان کو قوت　　سمائی ہے اُس کی بہت دل میں عظمت
نہیں پھیرتی اُن کا مُنہ کوئی زحمت　　نہیں کرتی زیر اُن کو کوئی صعوبت
بھروسے پہ اپنے دل و دست و پا کے
سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

نہیں مرحلہ کوئی دشوار اُن کو　　ہر اک راہ ملتی ہے ہموار اُن کو
گلستاں ہے صحرائے پُر خار اُن کو　　برابر ہے میدان و کہسار اُن کو
نہیں حائل اُن کے کوئی رہ گذر میں
سمندر ہے پایاب اُن کی نظر میں

اسی طرح یاں اہل ہمت ہیں جتنے　　کمربستہ ہیں کام پر اپنے اپنے
جہاں کی ہے سب دھوم دھام اُن کے دم سے　　فقیر اور غنی سب طفیلی ہیں اُن کے
بغیر اُن کے بے ساز و ساماں تھی مجلس
نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس

زمیں سب خدا کی ہی گلزار انھیں سے — زمانے کا ہی گرم بازار انھیں سے
ملے ہیں سعادت کے آثار انھیں سے — کھلے ہیں خدائی کے اسرار انھیں سے

انھیں پر ہی کچھ فخر گر ہے کسی کو
انھیں سے ہی گر ہے شرف آدمی کو

انھیں سے ہی آباد ہر ملک و دولت — انھیں سے ہی سرسبز ہر قوم و ملت
انھیں پر ہی موقوف قوموں کی عزت — انھیں کی ہی سب ربع مسکوں میں برکت

دم ان کا ہی دنیا میں رحمت خدا کی
انھیں کو ہی پھبتی خلافت خدا کی

انھیں کا اجالا ہی ہر رہ گذر میں — انھیں کی ہی یہ روشنی دشت و در میں
انھیں کا ظہور ہی سب خشک و تر میں — انھیں کے کرشمے ہیں سب بحر و بر میں

انھیں سے ہی رتبہ یہ آدم نے پایا
کہ سر اس سے روحانیوں نے جھکایا

ہر اک ملک میں خیر و برکت ہی ان سے — ہر اک قوم کی شان و شوکت ہی ان سے
نجابت ہی ان سے شرافت ہی ان سے — شرف ان سے فخر ان سے عزت ہی ان سے

جفاکش بنو گر ہو عزت کے خواہاں
کہ عزت کا ہی بھید ذلت میں پنہاں

مشقت کی ذلت جنھوں نے اُٹھائی　　جہاں میں ملی اُن کو آخر بڑائی
کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی　　فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی
نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

حکومت ملی اُن کو صفار تھے جو　　امامت کو پہونچے وہ قصار تھے جو
وہ قطب زماں ٹھہرے عطار تھے جو　　بنے مرجع خلق نجار تھے جو
اولوالفضل یاں اُٹھے سراج کتنے
ابوالوقت ہو گذرے حلاج کتنے

نہ بونصر تھا نوع میں ہم سے بالا　　نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا　　ہوئے اس لیے صاحب قدر و الا
اگر فکر کسب ہنر تم کو بھی ہو
تمھیں پھر ابونصر اور بوعلی ہو

بڑا ظلم اپنے پہ تم نے کیا ہی　　کہ عزت کی یاں جس ستوں پر بنا ہی
ترقی کی منزل کا جو رہنما ہی　　تنزل کی کشتی کا جو ناخدا ہی
قوی پشت تھیں جس سے پشتیں تمھاری
ہوئی دست بردار قوم اُس سے ساری

ہنر ہی نہ تم میں فضیلت ہے باقی　　نہ علم و ادب ہی نہ حکمت ہے باقی
نہ منطق ہے باقی نہ ہیئت ہی باقی　　اگر ہے تو کچھ قابلیت ہی باقی

اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں دیکھو
بچا رکھو اس ٹمٹماتے دیئے کو

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی　　خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی
اگر جیتے جی کچھ نہ ان کی خبر لی　　تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی

یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

یہی نوجواں پھرتے آزاد جو ہیں　　کمینوں کی صحبت میں برباد جو ہیں
شریفوں کی کہلاتے اولاد جو ہیں　　مگر ننگ آبا و اجداد جو ہیں

اگر نقد فرصت نہ یوں مفت کھوتے
یہی فخر آبا و اجداد ہوتے

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم و جاہل　　بہت ان میں ہیں جن کے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں ان کے فضائل　　انھیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی
ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

یہی قوم ہے جس میں قحط آدمی کا جہاں شور رہی ہر طرف ناکسی کا
نہیں جہل میں جس کے حصّہ کسی کا کبھی علم و فن پر تھا قبضہ اسی کا

وہ تھیں برکتیں سعی و کوشش کی ساری
وہی خوں ہے ورنہ رگوں میں ہماری

حکومت سے مایوس تم ہو چکے ہو زر و مال سے ہات تم دھو چکے ہو
دلیری کو ڈھک ڈھک کے مُنہ رو چکے ہو بزرگی بزرگوں کی سب کھو چکے ہو

مدار اب فقط علم پر ہے شرف کا
کہ باقی ہے ترکہ یہی اک سلف کا

ہمیشہ سے جو کہتے آئے ہیں سب یاں کہ ہے علم سرمایہ فخر انساں
عرب اور عجم ہند اور مصر و یوناں رہا اتفاق اس پہ قوموں کا یکساں

یہ دعویٰ تھا اک جس پہ حجّت نہ تھی کچھ
کُھلی اس پہ اب تک شہادت نہ تھی کچھ

جواہر تھا اک سب کی نظروں میں بھاری پرکھنے کی جس کے نہ آئی تھی باری
فضائل تھے سب علم کے اعتباری نہ تھیں طاقتیں اس کی معلوم ساری

یہ اب بحر و بر دے رہے ہیں گواہی
کہ ہے علم میں زور دستِ الٰہی

کیا کوہساروں کو مسمار اس نے بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوّار اس نے ثوابت کو ٹھہرایا سیّار اس نے

لیا بھاپ سے کام لشکر کشی کا
دیا پُتلیوں کو سکت آدمی کا

یہ پتھر کا ایندھن ہی چلوانے والا جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا زمیں کے خزانے اُگلوانے والا

یہی برق کو نامہ بر ہے بناتا
یہی آدمی کو ہے بے پر اُڑاتا

تمدّن کے ایواں کا معمار ہی یہ ترقی کے لشکر کا سالار ہی یہ
کہیں دستکاروں کا اوزار ہی یہ کہیں جنگجویوں کا ہتھیار ہی یہ

دکھایا ہی نیچا دلیروں کو اس نے
بنایا ہی روباہ شیروں کو اس نے

اسی کی ہی اب چار سو حکمرانی کیئے اس نے زیر ارمنی اور میانی
ہوئے رام دیوان ماژندرانی گئے زابلی بھول سب پہلوانی

ہوا اس کی طاقت سے تسخیر عالم
پڑے سامنے اس کے چرکس نہ ویلم

یہ لاکھوں پہ ہی سیکڑوں کو چڑھاتا سواروں کو پیادوں سے ہی زک دلاتا
جہازوں سے ہی زورقوں کو بھڑاتا حصاروں کو ہی چٹکیوں میں اڑاتا

ہوا کوئی حربوں سے اس کے نہ سرپر
نہ ٹھہری زرہ اس کے آگے نہ بکتر

جنھوں نے بنایا اُسے اپنا یاور ہر اک راہ میں اُس کو ٹھہرایا رہبر
یہ قول آج کل صادق آتا ہی اُن پر کہ اک نوع ہی نوعِ انساں سے برتر

الگ سب سے کام اُن کے اور طور ہیں کچھ
اگر سب ہیں انساں تو وہ اور ہیں کچھ

بہت اُن کو معجز نما جانتے ہیں بہت دیوتا اُن کو گردانتے ہیں
یہ جو ٹھیک ٹھیک اُن کو پہچانتے ہیں وہ اتنا مقرر نہیں مانتے ہیں

کہ دنیا نے جو کی تھی اب تک کمائی
وہ سب جزو کل اُن کے حصے میں آئی

کیا علم نے اُن کو ہر فن میں یکتا نہ ہمسر رہا کوئی اُن کا نہ ہمتا
ہر اک چیز اُن کی ہر اک کام اُن کا سمجھ بوجھ سے ہی زمانے کی بالا

صنائع کو سب اُن کے تکتے ہیں ایسے
عجائب میں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

دیے علم نے کھول اُن پر خزانے　　چھپے اور ظاہر نئے اور پرانے
بتائے انہیں غیب کے مال خانے　　دکھائے فتوحات کے سب ٹھکانے

ہوا جیسے چھائی ہو سب بحر و بر پر
وہ یوں چھا گئے خشک اور تر و خشک و تر پر

یہ سچ ہے کہ ہے اصل تعلیم دولت　　رہی ہے سدا پشت حکمت حکومت
ہوئی سلطنت جن کی دنیا سے رخصت　　نہ علم ان میں باقی رہا اور نہ حکمت

نہ یونان محکوم ہو کر رہا کچھ
نہ ایران تاج اپنا کھو کر رہا کچھ

یہ اک خارش صبر و ہمت میں کامل　　یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ جن سختیوں کا اٹھانا ہے مشکل　　وہی ہیں کچھ اے دل اٹھانے کے قابل

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہات آنا　　تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اٹھانا　　ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا

زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی دوڑ کا ہے

کر و یاد اپنے بزرگوں کی حالت　　شدائد میں جو ہارے تھے نہ ہمت
اُٹھاتے تھے برسوں سفر کی مشقت　　غریبی میں کرتے تھے کسب فضیلت
جہاں کھوج پاتے تھے علم و ہنر کا
نکل گھر سے لیتے تھے رستہ اُدھر کا

عراقین و شامات و خوارزم و توراں　　جہاں جنس تعلیم سنتے تھے ارزاں
وہیں پے سپہ کر کے کوہ و بیاباں　　پہنچتے تھے طلاب افتاں و خیزاں
جہاں تک عمل دین اسلام کا تھا
ہر اک راہ میں ان کا تانتا بندھا تھا

نظامیّہ نوریّہ مستنصریّہ　　نفیسیّہ رستیّہ اور صاحبیّہ
رواحیّہ عنبریّہ اور قاہریّہ　　عزیزیّہ زینبیّہ اور ناصریّہ
یہ کالج تھے مرکز سب آفاقیوں کے
حجازی و کردی و قبچاقیوں کے

بشر کو ہی لازم کہ ہمت نہ ہارے　　جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے　　کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے
اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

بہت خوانِ بے اشتہا تم نے کھائے　　بہت بوجھ بندہ بندہ کے تم نے اُٹھائے
بہت آس پر ساز کی راگ گائے　　بہت عارضی تم نے جلوے دکھائے

بس اب اپنی گردن پہ رکھّو جوا تم
کرو حاجتیں آپ اپنی روا تم

تمھیں اپنی مشکل کو آساں کروگے　　تمھیں درد کا اپنے درماں کروگے
تمھیں اپنی منزل کا ساماں کروگے　　کروگے تمھیں کچھ اگر یاں کروگے

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہی
مثل ہی کہ ہمت کا حامی خدا ہی

سراسر ہو گو سلطنت فیض گستر　　رعیت کی خود تربیت میں ہو یاور
مگر کوئی حالت نہیں اس سے بدتر　　کہ ہر بوجھ ہو قوم کا سلطنت پر

ہو اس طرح ہاتوں میں اس کے رعیّت
کہ قبضے میں غسّال کے جیسے میّت

وہی گُر تجارت کے اُس کو سجھائے　　وہی صنعت اور حرفت اُس کو بتائے
وہی کاشتکاری کے آئیں سکھائے　　وہی اُس کو لکھوائے وہ ہی پڑھائے

ملا جس رعیّت کو ایسا سہارا
کیا آدمیّت نے اس سے کنارا

یہی سلطنت کی ہی کافی اعانت — کہ ہو ملک میں امن اُس کی بدولت
نفوس اور اموال کی ہو حفاظت — حکومت میں ہو اعتدال اور عدالت

نہ توڑا رعیت پہ بے جا ہو کوئی
نہ قانون جھٹ کار فرما ہو کوئی

جہاں ہو یہ انداز فرماں روائی — رعیت کی ہی واں نپٹ بے حیائی
کہ ہر کام میں آس ڈھونڈے پرائی — کرے آپ اپنی نہ مشکل کشائی

کھڑا ہو سہارے اک اڑوار کے گھر
ہٹی وہ جہاں آرہے یہ زمیں پر

گیا اب وہ دل تنگیوں کا زمانہ — کہ اپنوں کا حصّہ تھا پڑھنا پڑھانا
برہمن کا پہنے اگر شدر بانا — تو اُس پر نہیں کوئی اب تازیانہ

ہوئے ہر طرف سب نشیب و فراز اب
سفید و سیہ میں نہیں امتیاز اب

بس اب وقت کا حکم ناطق یہی ہی — کہ جو کچھ ہی دنیا میں تعلیم ہی ہی
یہی آج کل اصل فرماندہی ہی — اسی میں چھپا سرّ شاہنشہی ہی

ملی ہی یہ طاقت اسی کیمیا کو
کہ کرتی ہی یہ ایک شاہ و گدا کو

سکھاتی ہی محکوم کو یہ اطاعت سجھاتی ہی حاکم کو راہِ عدالت
دلوں سے مٹاتی ہی نقشِ عداوت جہاں سے اُٹھاتی ہی رسم بغاوت

یہی ہی رعیت کو حق وار کرتی
یہی ہی کہ دمہ کو ہموار کرتی

سُنی ہی غریبوں کی فریاد اسی نے کیا ہی غلامی کو برباد اسی نے
ریپلک کی ڈالی ہی بنیاد اسی نے بنایا ہی پبلک کو آزاد اسی نے

مقید بھی کرتی ہی یہ اور رہا بھی
بناتی ہی آزاد بھی باوفا بھی

تجارت نے رونق ہی مراس سے پائی کہ ہیچ اس کے آگے ہی فرماں روائی
فلاحت کی یہ منزلت ہی بڑھائی کہ فلاح کرتے ہیں معجز نمائی

ترقی یہ صنعت کو دی ہی بلا کی
کہ ہوتی ہی معلوم قدرت خدا کی

یہ نا اتفاقی ہی قوموں سے کھوتی یہ قومی محبت کا ہی بیج بوتی
یہ آپس کے کینے دلوں سے ہی دھوتی یہ دانے ہی سب ایک لڑیں پروتی

یہ نقطوں یہ خط کی طرح ہی گزرتی
کروڑوں دلوں کو ہی یہ ایک کرتی

جہاں یہ نہیں واں نہ قوم اور نہ ملّت ‏ نہ ملکی حمایت نہ قومی حمیّت
جُدا سب کے رنج اور جُدا سب کی راحت ‏ الگ سب کی ذلّت الگ سب کی عزّت
خبر واں نہیں یہ کہ ہے قوم شی کیا
چھپا سرِّ حق اس تعلّق میں ہے کیا

جنھوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت ‏ نہ جانی مسلّط ہوئی اُن پہ ذلّت
ملوک اور سلاطیں نے کھوئی حکومت ‏ گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت
رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوے سارے دعوے شرافت کے باطل

نہ چلتے ہیں واں کام کاریگروں کے ‏ نہ برکت ہے پیشے میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے ‏ ہوے بند دروازے اکثر گھروں کے
کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہات پر ہات بیٹھے

ہنر اور فن واں ہیں سب گھٹتے جاتے ‏ ہنرمند ہیں روز و شب گھٹتے جاتے
ادیبوں کے فضل و ادب گھٹتے جاتے ‏ طبیب اور اُن کے مطب گھٹتے جاتے
ہوئے پست سب فلسفی اور مناظر
نہ ناظم ہیں سرسبز اُن کے نہ ناثر

اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں　　تو کپڑا وہ اک اور دنیا سے لائیں
جو سینے کو وہ ایک سوئی منگائیں　　تو مشرق سے مغرب میں لینے کو جائیں

ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
مکنیکس کی رو میں تاراج ہیں وہ

نہ پاس اُن کے چادر نہ بستر ہی گھر کا　　نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہی گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہی گھر کا　　صراحی ہی گھر کی نہ ساغر ہی گھر کا

کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہی سب عاریت کا گھروں میں

جو مغرب سے آئے نہ مال تجارت　　تو مر جائیں بھوکے وہاں اہل حرفت
ہو تجار پر بند راہِ معیشت　　دکانوں میں ڈھونڈی نہ پائے بضاعت

پرائے سہارے ہیں بیوپار وال سب
طفیلی ہیں سیٹھ اور تجار واں سب

یہ ہیں ترک تعلیم کی سب سزائیں　　وہ کاش اب بھی غفلت سے باز اپنی آئیں
مبادا رہِ عافیت پھر نہ پائیں　　کہ ہیں بے پناہ آنے والی بلائیں

ہوا بڑھتی جاتی سرِ رہ گذر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

لیے فردِ بخشیِ دوراں کھڑا ہی ہر اک فوج کا جائزہ لے رہا ہی
جنھیں ماہر اور کرتبی دیکھتا ہی انھیں بخشتا تیغ و طبل و لوا ہی
یہ ہیں بے ہنر یک قلم چھٹتے جاتے
رسالوں سے نام اُنکے ہیں کٹتے جاتے

بس اب علم و فن کے وہ پھیلاؤ ساماں کہ نسلیں تمھاری بنیں جن سے انساں
غریبوں کو راہِ ترقی ہو آساں امیروں میں ہو نورِ تعلیم تاباں
کوئی اُن میں دنیا کی عزت کو تھامے
کوئی کشتیِ دین و ملت کو تھامے

بنے قوم کھانے کمانے کے قابل زمانے میں ہو مُنھ دکھانے کے قابل
تمدن کی مجلس میں آنے کے قابل خطابِ آدمیت کا پانے کے قابل
سمجھنے لگیں اپنے سب نیک و بد وہ
لگیں کرنے آپ اپنی اپنی مدد وہ

کرو قدر اُن کی ہنر جن میں پاؤ ترقی کی اور اُن کو رغبت دلاؤ
دل اور حوصلے ان کے مل کر بڑھاؤ ستوں اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ
کوئی قوم کی جن سے خدمت بن آئے
بٹھائیں انھیں سر پہ اپنے پرائے

کروگے اگر ایسے لوگوں کی عزّت تو پاؤ گے اپنے میں تم اک جماعت
بڑھائے گی جو قوم کی شان و شوکت گھرانوں میں پھیلائے گی خیر و برکت

مدد جس قدر تم سے وہ آج لے گی
عوض تم کو کل اُس کا دہ چند دے گی

ترقی کے یوناں کے اسباب کیا تھے ہنر پر جہاں پیر و برنا فدا تھے
تمدن کے میداں میں زور آزما تھے وطن کی محبت میں یکسر فنا تھے

مقاصد بڑے اور ارادے تھے عالی
نہ تھا اس سے چھوٹا بڑا کوئی خالی

سبب کچھ نہ تھا اس کا جز قدر دانی کہ ہوتے تھے جو علم و حکمت کے بانی
ترقی میں کرتے تھے جو جاں فشانی حیات اُن کو ملتی تھی واں جاودانی

وطن جیتے جی اُن پہ قرباں تھا سارا
پس از مرگ پجتے تھے وہ آشکارا

اسی گر نے تھا جوش سب کو دلایا کہ تھا اک ہنر پیشے نے رتبہ یہ پایا
اسی شوق نے تھا دلوں کو بڑھایا اسی نے تھا یوناں کو یوناں بنایا

اس امید پر کوششیں تھیں یہ ساری
کہ ہو قوم کے دل میں عظمت ہماری

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو وقعت   جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھامنی ہو گھرانے کی عزّت   جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلّت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
انھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

بہت دل ہیں نرم ان دنوں ہوتے جاتے   کہ حالت یہ ہیں قوم کی اُمڈے آتے
تنزل یہ ہیں اُس کے آنسو بہاتے   نہیں آپ کچھ کر کے لیکن دکھاتے

خبر بھی ہے دل اُن کے جلتے ہیں کس پر
وہ ہیں آپ ہی ہات ملتے ہیں جس پر

رئیسوں کی جاگیرداروں کی دولت   فقیہوں کی دانشوروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت   ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت

جچے تب کچھ آنکھوں میں اہل وطن کے
جو کام آئے بہبود میں انجمن کے

جماعت کی عزت میں ہے سب کی عزت   جماعت کی ذلت میں ہے سب کی ذلت
رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت   نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت

وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہوگی جڑ اس گلستاں میں جس کی

ذخیرہ ہی جب چیونٹا کوئی پاتا تو بھاگا جماعت میں ہے اپنی آتا
انھیں ساتھ لے لے کے ہے یاں سے جاتا فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا

سدا اُن کے ہیں اس طرح کام چلتے
کمائی سے ایک ایک کی لاکھوں ہیں پلتے

جب اک چیونٹا جس میں دانش نہ حکمت بنی نوع کی اپنے برلائے حاجت
معیشت سے ایک اک کو بخشے فراغت کرے اُن پہ وقف اپنی ساری غنیمت

تو اس سے زیادہ ہے بے غیرتی کیا
کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے برتر گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور
فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو بڑھ کر خدا کا بنے جو کہ دنیا میں مظہر

نہ ہو مردمی کا نشاں اُس میں اتنا
مسلّم ہے مٹی کے کیڑوں میں جتنا

الٰہی بحقِ رسولِ تہامی ہر ایک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی
جسے دُور و نزدیک تھے سب گرامی برابر تھے مکّی و زنگی و شامی

شریروں کو ساتھ اپنے جس نے نباہا
بُروں کا ہمیشہ بھلا جس نے چاہا

طفیل اُس کا اور اُس کی عترت کا یارب ‏ پکڑ بات جلد اُس کی امت کا یارب
اک ابر اُس پہ بھیج اپنی رحمت کا یارب ‏ غبار اس سے جو دھودے ذلت کا یارب

کہ ملت کو ہے ننگ ہستی سے اُس کی
ہوا پست اسلام پستی سے اس کی

بچا اُن کو اس تنگنائے بلا سے ‏ کہ رستہ ہو گم رہ رو و رہنما سے
نہ امید یاری ہو یار آشنا سے ‏ نہ چشم اعانت ہو دست و عصا سے

چپ و راست چھائی ہوئی ظلمتیں ہوں
دلوں میں امیدوں کی جا حسرتیں ہوں

نہیں کل کی فکر آج کرنی سکھا دے ‏ ذرا ان کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا دے
کمیں گاہِ بازیِ دوراں دکھا دے ‏ جو ہونا ہے کل آج اُن کو سجھا دے

جھتیں پاٹ لیں تا کہ باراں سے پہلے
سفینہ بنا رکھیں طوفاں سے پہلے

عرضِ حال

بہ جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصّلوات و اکمل التحیات

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہی
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہی

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہی

جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہی

وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتّی نہ دیا ہی

جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہباں
اب اُس کا نگہبان اگر ہی تو خدا ہی

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اُس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہی

جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے
اُس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہی

جو دین کہ ہمدردِ بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اُس میں بپا ہی

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیرِ غنا بھی
اُس دین میں اب فقر ہی باقی نہ غنا ہی

جو دین کہ گودوں میں پلا تھا حکما کی
وہ عرصۂ تیغِ جہلا و سُفہا ہی

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اُس دین پہ ہر ہرزہ درا ہی

ہے دین ترا اب بھی وہی چشمۂ صافی — دینداروں میں پر آب ہے باقی نہ صفا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے جاہل ہے سو وحشی — منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

یاں آگ ہے دن رات تو واں تنگ شب و روز — یہ مجلس اعیان ہے وہ بزم شرفا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں — پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے — اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے

ہے دین کی دولت سے بہا علم سے رونق — بے دولت علم اس میں نہ رونق نہ بہا ہے

شاہد ہے اگر دین تو علم اس کا ہے زیور — زیور ہے اگر علم تو مال اس کی جلا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت — اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

گو قوم میں تیری نہیں اب کوئی بڑائی — پر نام تری قوم کا یاں اب بھی بڑا ہے

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر — مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے

جس قصر کا تھا سر بفلک گنبد اقبال — ادبار کی اب گونج رہی اس میں صدا ہے

بیڑا تھا نہ جو باد مخالف سے خبردار — جو چلتی ہے اب چلتی خلاف اس کے ہوا ہے

وہ روشنی بام و در کشور اسلام — یاد آج تلک جس کی زمانے کو ضیا ہے

روشن نظر آتا نہیں واں کوئی چراغ آج — بجھنے کو ہے اب گر کوئی بجھنے سے بچا ہے

عشرت کدے آباد تھے جس قوم کے ہر سو — اس قوم کا ایک ایک گھر اب بزم عزا ہے

چاؤش تھے للکارتے جن رہ گذروں میں — دن رات بلند ان میں فقیروں کی صدا ہے

وہ قوم کہ آفاق میں جو سر بفلک تھی
وہ یاد میں اسلاف کی اب رُو بقفا ہے

جو قوم کہ مالک تھی علوم اور حِکَم کی
اب علم کا واں نام نہ حکمت کا پتا ہے

کھوج اُن کے کمالات کا لگتا ہے اب اتنا
گم دشت میں اک قافلہ بے طبل و درا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

تھی آس تو تھا خوف بھی ہمراہ رجا کے
اب خوف ہے مدت سے دلوں میں نہ رجا ہے

جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کی بدولت
سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہے

کی زیب بدن سب نے ہی پوشاک کتاں کی
اور برف میں ڈوبی ہوئی کشور کی ہوا ہے

درکار ہیں یاں معرکے میں جوشن و خفتاں
اور دوش پہ یاروں کے وہی کہنہ ردا ہے

دریائے پُر آشوب ہے اک راہ میں حائل
اور بیٹھ کے گھڑناؤ پہ یاں قصدِ شنا ہے

ملتی نہیں اک بوند بھی پانی کی جہاں مفت
واں قافلہ سب گھر سے تہی دست چلا ہے

یاں نکلے ہیں سودے کو درم لے کے پُرانے
اور سکہ رواں شہر میں مدت سے نیا ہے

فریاد ہے اے کشتیِ اُمت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

اے چشمۂ رحمت بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ
دنیا پہ ترا لطف سدا عام رہا ہے

جس قوم نے گھر اور وطن تجھ سے چھڑایا
جب تو نے کیا نیک سلوک اُن سے کیا ہے

صدمہ دُرِ دنداں کو ترے جن سے کہ پہنچا
کی اُن کے لئے تو نے بھلائی کی دُعا ہے

کی تو نے خطا عفو ہی اُن کینہ کشوں کی — کھانے میں جنھوں نے کہ تجھے زہر دیا ہی

سو بار ترا دیکھ کے عفو او ترحم — ہر باغی و سرکش کا سر آخر کو جھکا ہی

جو بے ادبی کرتے تھے اشعار میں تیری — منقول اُنہیں سے تری پھر مدح و ثنا ہی

برتاؤ ترے جب کہ یہ اعدا سے ہیں اپنے — اعدا سے غلاموں کو کچھ امید سوا ہی

کر حق سے دعا اُمّت مرحوم کے حق میں — خطروں میں بہت جس کا جہاز آ کے گھرا ہی

امّت میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن — دلدادہ ترا ایک سے ایک ان میں سوا ہی

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے — وہ تیری محبّت تری عترت کی ولا ہی

ہر چند کہ پیشِ دہر مخالف ہیں ترے انام — ہتھیار جوانوں کا ہی پیروں کا عصا ہی

جو خاک ترے در پہ ہی جاروب سے اُڑتی — وہ خاک ہمارے لیے داروئے شفا ہی

جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرف — اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہی

جس مُلک نے پائی تری ہجرت سے سعادت — کعبے سے کشش اُس کی ہر اک دل میں سوا ہی

کل دیکھیئے پیش آئے غلاموں کو ترے کیا — اب تک تو ترے نام پہ اک ایک فدا ہی

ہم نیک ہیں یا بد ہیں پھر آخر ہیں تمھارے — نسبت بہت اچھی ہی اگر حال بُرا ہی

گر بد ہیں تو حق اپنا ہی کچھ اور زیادہ — اخبار میں اَلطّالحُ لِی ہم نے سُنا ہی

تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی — ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہی

خود جاہ کے طالب ہیں نہ عزّت کے ہیں خواہاں — پر فکر ترے دین کی عزّت کی سدا ہی

گر دین کو جوکھوں نہیں ذلّت سے ہماری
امت تری ہر حال میں راضی برضا ہی

عزّت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلّت میں مزہ ہی

ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حدِّ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہی

ہی یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہی کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارج از آہنگِ خطا ہی

تمت
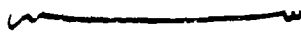
فرہنگ

الف

آل عدنان۔ بنی اُمیہ جو کئی صدیوں تک سپین میں حکمراں رہے اُن کے جد اعلیٰ کا نام عدنان تھا۔ اسی لیئے بنی اُمیہ اور ان کے بنی عم یعنی بنی ہاشم سب آل عدنان ہیں۔

آل غالب۔ رسول خدا کے دسویں دادا کا نام غالب ہے جو کہ عدنان سے گیارہ پشت نیچے ہیں۔ پس بنی ہاشم اور بنی اُمیہ کو آل غالب بھی کہتے ہیں۔

آماج۔ نشانہ۔

آمنہ۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف آنحضرت کی والدہ کا نام ہے۔

ائمہ۔ امام کی جمع۔ اہل سنت کے ہاں بارہ اماموں کے سوا ور لوگوں کو بھی جو کسی علم دین میں اپنے معاصرین سے فائق ہوئے ہیں امام کہا گیا ہے جیسے امام اعظمؒ امام شافعیؒ، امام اسمٰعیل بخاریؒ، امام فخرالدین رازیؒ امام غزالی وغیرہم۔

آنکھ چُرانا۔ کنارہ کرنا۔ کترانا۔ پہلو بچانا۔

ابرار۔ جمع بَرّ بمعنی نیک۔

ابوبکر رازی علی ابن عیسیٰ الخ اس بند میں پانچ نامی طبیبوں کا ذکر ہے۔ ابوبکر رے کا باشندہ تھا۔ مدتوں رے اور بغداد میں مطب کیا اور آخر عمر میں اندھا ہو گیا اور سنہ ۳۲۲ ہجری میں مر گیا اس کی تصنیفات ۲۱۲ ہیں جن میں سے اکثر طبی ہیں۔

علی ابن عیسیٰ کو چیمبرز ان سائیکلوپیڈیا میں اسلام کے

اطبائے نامدار میں سے لکھا ہے حسین ابن سینا بو علی شیخ رئیس کا نام ہے اس کی تصنیفات مختلف علوم میں تقریباً ۱۰۰ شمار کی گئی ہیں جن میں سے کتاب حاصل محصول کی ۲۰ جلدیں، شفا کی ۱۸، قانون کی ۱۴ اور کتاب الانصاف کی ۲۰، لسان العرب کی ۱۰ جلدیں ہیں ۴۲۸ھ ہجری میں ۵۸ برس کی عمر میں مرا اور ہمدان میں مدفون ہوا۔

حنین عبادان کا رہنے والا عیسائی مذہب بڑا نامی طبیب ہے۔ اس نے خلفاء عباسیہ کے ہاں نشو و نما پائی تھی۔ متوکل کے عہد میں سررشتہ ترجمہ کا افسر تھا اور عراق عرب میں رہتا تھا۔ اس لیے حکماء اسلام میں اس کا شمار ہے۔

ضیاء الدین ابن بیطار اندلسی علم نباتات میں مشہور تھا۔ نباتات کی تحقیقات میں دُور دُور کے سفر کیئے ادویہ مفردہ کے بیان میں اکثر کتابوں کا ماخذ اس کی تصنیفات ہیں ۶۴۶ھ میں وفات پائی۔

اُبھرنا۔ پستی سے نکلنا۔ ڈوب کر اچھلنا۔ بیماری سے افاقہ پانا۔

اِجارہ۔ دعوی، زبردستی، زور۔

اجانب۔ اجنبی کی جمع، اغیار، بیگانے،

اجلاف۔ کمینے لوگ۔

اچھوتا۔ جس کو کسی نے ہات نہ لگایا ہو۔ ع

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک۔ اس مصرعہ میں اس سے یہ مقصود ہے کہ جس توحید کی اسلام نے تعلیم دی وہ ادیان سابقہ کے حصہ میں نہیں آئی تھی

اَحرار۔ حُر (آزاد) کی جمع یعنی وہ لوگ جو خدا کے سوا سب چیزوں سے آزاد اور بے تعلق ہیں۔

احبار۔ جمع حبر۔ یہودیوں کے علماے دین کو احبار کہتے ہیں۔

احسان۔ سلوک، بھلائی،

اخبار دین۔ احادیث نبوی کی طرف اشارہ ہے

ادھورا۔ پورے کی ضد یعنی ناکمل اُونا تمام جو پُورا نہ ہو

ارکان اسلام۔ اصول اسلام ع ہے جب تک ارکان اسلام برپا۔ یعنی جب تک اسلام کے اصول اپنی حالت پر قائم رہے اور اُن میں کسی قسم کا کوئی تزلزل نہ آیا۔

ارسطو۔ یونان کا مشہور حکیم ہے۔ سکندر کا اُستاد اور افلاطون کا شاگرد مسیح سے ۳۲۲ برس پہلے ۶۲ برس کی عمر میں مرا۔

ارسطو کی تعلیم۔ حکماء اسلام ارسطو کو معلم اوّل اور ابونصر فارابی کو معلم ثانی کہتے ہیں۔ اسی لیے ارسطو کے افادات کو تعلیم کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

اِرَم۔ کہتے ہیں کہ شداد نے ملک یمن میں مابین صنعا اور حضرموت ایک باغ بنوایا جس کا طول و عرض بارہ بارہ فرسنگ تھا اس کا نام ارم ہے۔ اور ارم کو شعرا بمعنی بہشت بھی استعمال کرتے ہیں۔

ارمنی۔ آرمینیا کے رہنے والے۔

اُڑا لے گئی باد پندار جس کو۔ الخ یعنی جس کو غرور نے تباہ و برباد کیا۔

مستعصم باللہ جس پر خلافت بغداد کا خاتمہ ہوا۔ اُس کے غرور کا یہ حال تھا کہ قصر خلافت کے آستانہ پر ایک پتھر بمنزلہ حجر اسود کے پڑا ہوا تھا جس کو اُمرا و وزرا اندر جاتے وقت چومتے تھے۔ اس غفلت و پندار کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں نے خلافت کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ دوسرے مصرع میں سیل تاتار سے یہی مراد ہے۔

اَڑواڑ۔ وہ لکڑی جو پرانی چھت وغیرہ کے نیچے گر پڑنے کے اندیشہ سے لگا دیتے ہیں۔

ازل کا پیمان۔ پیمان الست جس کا اشارہ قرآن کی آیت اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی کی طرف ہے۔

اَسامی بنانا۔ کسی دولتمند آدمی کو فریب دے کر ٹھگنا اور اس سے روپیہ وصول کر لینا۔

اَسانید۔ جمع اسناد یعنی حدیث کی وہ کتابیں جن میں ہر ایک حدیث مع اس کے راویوں کے

نام کے لکھی گئی ہی۔ جیسے بخاری اور مسلم وغیرہ۔

استفادہ۔ فائدہ حاصل کرنا۔ تلمذ۔ شاگردی اراد

اسی جزرو مد نے ڈبویا ہی ہم کو۔ نااتفاقی کو سمندر کے مدّو جزر سے تشبیہ دی ہی کیونکہ اس میں بھی ایک قسم کا اختلاف پایا جاتا ہی۔

اشاعت۔ شائع کرنا۔ رواج دینا پھیلانا۔

اشراف۔ شریف کی جمع۔ مگر اُردو میں واحد یعنی شریف کی جگہ زیادہ استعمال میں آتا ہی۔

اصل۔ جڑ۔ قاعدہ کلیہ۔ اور مذہبی اصطلاح میں جو مسائل اعتقاد سے علاقہ رکھتے ہیں اُن کو اُصول کہتے ہیں اور جو عمل سے علاقہ رکھتے ہیں وہ فروع کہلاتے ہیں۔

اصل شقاوت۔ بدبختی کی جڑ۔

اُصولی۔ علم اُصول فقہ کے جاننے والے۔

اعیان۔ شرفا۔ امرا اور سلطنت کے ممتاز لوگ۔

اقامت سے بہتر ہی اس وقت رحلت ۔ یعنی اس وقت دنیا میں رہنے سے کوچ کرنا اچھا ہی یعنی زندگی سے موت بہتر ہی۔

اقران و امثال۔ ہمسر۔ ہم چشم۔ ہمعصر اور ہم عمر لوگ۔

اقصائے عالم۔ اطراف عالم۔ قصا کنارہ اسکی جمع اقصا ہی۔

اُکسانا۔ چراغ کو اشتعالک دینا۔

اگر نشۂ مے ہو غیبت میں پنہاں۔ یعنی اگر غیبت میں بھی شراب کا سا نشہ ہو تو تمام مسلمان مست و مدہوش پائے جائیں کیونکہ غیبت سے بچا ہوا کوئی نظر نہیں آتا۔

الپ ارسلان۔ سلجوقیوں کے سلسلہ کا دوسرا بادشاہ ہی اس کے باپ کا نام چغر بیگ اور چچا کا نام طغرل بیگ تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی زندگی میں اس کو ولیعہد مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ طغرل کے بعد اُس کا جانشین ہوا۔

اَلدِّینُ یُسْرٌ۔ یعنی دین آسان ہی۔ حدیث نبوی

کے الفاظ ہیں۔

الٰہی۔ وہ علم ہی جس میں ذات باری تعالیٰ اور ارواح و مجردات سے بحث کی جاتی ہی۔ یونان میں اس کو تھیولوجی کہتے ہیں جس کو عرب نے اثولوجیا بنا لیا ہی۔

اُم الجرائم۔ یعنی تمام گناہوں کی جڑ۔

اُمنڈتا ہی رُکنے سے اور اُن کا دریا۔ یعنی ان لوگوں کی جس قدر مزاحمت ہوتی ہی اُسی قدر ان کا جوش زیادہ ہوتا ہی۔

اُمّی۔ اَن پڑھ۔ ابتدائے اسلام میں اور اس سے پہلے چونکہ عرب میں تعلیم و تعلّم کا رواج نہ تھا اس لیئے عربوں کو اُمّی کہا گیا ہی۔

امیروں کو تنبیہ کی اس طرح پر الخ اس بند میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہی اِذَا کَانَ اُمَرَاؤُکُمْ خیارکم و اغنیاؤکم سمحاءکم و امورکم شوریٰ بینکم فظہر الارض خیر لکم من بطنہا و اذا کان امراؤکم شرارکم و اغنیاؤکم بخلاءکم و امورکم الیٰ نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظہرھا۔ یعنی جب تم میں سے بہتر لوگ تمہارے حاکم ہوں اور تم میں سے فیاض لوگ مالدار ہوں اور تمہارے کام باہمی مشورہ سے ہوں تو تمہارے لیے زمین کے پیٹ سے اُس کی پشت اچھی ہی (یعنی تمہاری زندگی موت سے بہتر ہی) اور جب تم میں سے بد لوگ تمہارے حاکم ہوں اور بخیل لوگ امیر ہوں اور تمہارے کام عورتوں کے حوالہ ہوں تو تمہارے لیے زمین کا پیٹ اُس کی پشت سے بہتر ہی (یعنی تمہاری موت زندگی سے اچھی ہی)

امین۔ امانت دار۔ عرب کے لوگ بعثت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

انھیں کو ہی پھبتی خلافت خدا کی۔ اس میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہی جس میں خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ فرمایا ہی۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الارض خَلِیْفَۃً۔

ایتھنز۔ یونان کا قدیم دارالحکومت جس میں بڑے بڑے حکیم اور مقنن گزرے ہیں۔ عرب اس شہر کو مدینۃ الحکما کہتے تھے۔

ایلچی۔ پیغام بر۔ ترکی میں ایل پیغام کو کہتے ہیں اور چی نسبت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ یعنی میں بھی تم ہی جیسا انسان ہوں مگر مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے

ب

بات پر اڑنا۔ اصرار کرنا۔ ہٹ کرنا۔ اپنی بات سے نہ ٹلنا۔

باغ چھانٹنا۔ باغ کو آراستہ کرنا۔ درختوں سے خشک اور بیکار ٹہنیاں اور پتے دُور کرنے۔

باغ رضواں۔ بہشت۔

باغ رعنا۔ خوب صورت باغ، باغ زیبا۔

بانو۔ خاتون۔ گھر کی بیوی۔

بچایا بُرائی سے اُن کو یہ کہہ کر کہ اس بند میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے ذکر رجل عند رسول اللہ بعبادۃ وذکر آخر برعۃ فقال النبی لایعدل بالرعۃ یعنی التورع۔

بچھڑنا۔ میلا بچھڑنا۔ اُس کا ٹوٹ جانا۔ پراگندہ اور متفرق ہو جانا۔

بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا۔ یعنی اُمّت مسیحیہ کی طرح تم مجھ کو بڑھا کر الوہیت کے درجہ تک نہ پہنچا دینا۔ کیونکہ اس طرح دین کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے اور دین کی تحقیر ہوتی ہے۔ پس انبیا کو اُن کی حد سے بڑھا دینا گویا اُن کے رتبہ کو دنیا کی نظر میں گھٹا دینا ہے۔

بدن کے نگہبان بستر کے دربان۔ یعنی ہر وقت بدن کی حفاظت اور خود آرائی میں مصروف رہتے ہیں یا نرم بچھونوں میں پڑے اینٹھتے ہیں گویا بستر کے دربان ہیں۔

بدّیا۔ علم۔ ہنر۔ بزرگی۔

بَر۔ لڑکا جس سے لڑکی کا ازدواج ہو سکے۔ بَر نہیں ملتا یعنی کوئی ایسا لڑکا نہیں ملتا جس سے اس کی شادی کی جاتی۔

بَرِّ اعظم۔ ایشیا۔ افریقہ۔ یورپ۔ امریکا۔ آسٹریلیا۔ ان میں سے ہر ایک کو بَرِّ اعظم کہتے ہیں۔ مگر مسدس میں صرف اول کے تین برِّ اعظم مراد ہیں کیونکہ عرب کی ترقی کے وقت صرف وُہی معلوم تھے۔

بَربَر۔ صحرائے افریقہ کے شمال میں جو ملک ہے وہ بَربَر کہلاتا ہے۔

برہمن کا پہنے اگر شُدر بانا۔ ہندؤں کے ہاں منوشاستر میں چار ذاتیں مقرر ہیں اور ہر ایک ذات کے لیے خاص خاص کام مخصوص کیے ہیں اور شدر کو سب سے ارذل قرار دیا ہے یہاں تک کہ اگر وہ برہمن کے خاص کاموں میں دخل دے تو اس کے لیے سخت سزا مقرر ہے۔ آج کل کے مؤرخ یہ سمجھتے ہیں کہ آریہ قوم نے تنگ دلی سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کو شدر قرار دیا تھا۔ اور تمام ذلیل کام اُن کے واسطے مخصوص کیے تھے یہاں تک کہ اگر شدر برہمن کا بانا یعنی لباس پہن لیتا تھا تو مستوجب سزا ہوتا تھا۔ مسدس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں وہ حال نہیں ہے۔ بلکہ قانون میں حاکم و محکوم میں کچھ فرق نہیں رکھا گیا۔

بسیرا۔ اصل میں پرندوں کے رات کو آرام کرنے کو کہتے ہیں مگر مجازاً انسان کے رہنے اور بود و باش کرنے کو بھی کہتے ہیں خصوصاً جب کہ وحشیوں کی بود و باش کا ذکر ہو۔

بقراط۔ یہ شخص قدیم دارالخلافہ شام یعنی شہر حمص میں سکندر سے تقریباً سو برس پہلے گذرا ہے عربی طب میں سب سے پہلے اسی کی کتابوں کا ترجمہ ہوا ہے۔

بکر و تغلب۔ عرب کے دو بڑے خاندانوں کے نام ہیں جن میں یہ لڑائی ہوئی تھی اور اس کو حرب بسوس کہتے ہیں۔ سبب لڑائی کا یہ تھا کہ بکر خاندان کی ایک عورت کے ہاں جس کا نام بسوس تھا ایک

مہمان آیا۔ اس مہمان کی اونٹنی چرتی ہوئی کلیب
کی چراگاہ میں جو خاندان بنی تغلب سے تھا چلی گئی اور
کلیب نے اُس کے تھنوں کو اپنے تیر سے زخمی کر دیا۔ یہ
بات بنی بکر کو بہت ناگوار ہوئی اور ان میں سے ایک
شخص مہلہل نے کلیب کو پیچھے سے مار ڈالا۔ اور دونوں
خاندانوں میں لڑائی چھڑ گئی جو عرصہ تک قائم رہی۔

بگڑ کر سنبھلنا۔ یعنی سخت بیمار ہو کر اچھا ہونا۔

بِنا۔ بنیاد عمارت۔

بَنج۔ تجارت۔ بیوپار۔ لین دین

بُو پھوٹنا۔ خوشبو پھیلنا۔

بوجہل۔ مشرکین قریش کا سردار تھا اور رسول خدا
کا بڑا دشمن تھا۔

بوقبیس۔ عرب کے پہاڑ کا نام ہے جس کے نیچے مغرب
کی طرف شہر مکہ ہے۔

بول بالا ہونا۔ غالب ہونا۔ اس کا بول بالا ہو
یعنی اس کی بات بڑی ہو۔ وہ سب پر غالب ہو جائے

بونصر۔ محمد بن محمد بن ترخان جو ابونصر فارابی اور
معلم ثانی کے لقب سے مشہور ہے۔ حکماء اسلام میں اس کے
رتبہ کا کوئی حکیم فن حکمت میں نہیں ہوا۔ اس کی تقریباً
ساٹھ کتابیں شمار کی گئی ہیں یونانیوں اور عربوں کا
کوئی علم ایسا نہیں جس میں اس نے کتاب نہ لکھی ہو اس کی
اکثر کتابیں مقبول اور برگزیدہ ہیں۔ فاراب کا باشندہ تھا
جو کہ ماوراء النہر کا ایک شہر ہے مقتدر باللہ کے عہد میں
عراق عرب میں جا کر سکونت اختیار کی اور وہیں علم
حاصل کیا پھر سیف الدولہ حاکم حلب کے پاس دمشق چلا
گیا اور وہیں ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔

بہائم۔ جمع بہیمہ چوپائے۔ جیسے گھوڑا۔ اونٹ۔ گائے
وغیرہ۔

بہتات۔ کثرت۔ افراط۔ زیادتی۔

بہت خوان بے اشتہا تم نے کھائے الخ

اس بند میں بے اشتہا خوان کھانے اور بندہ بندہ کے
بوجھ اٹھانے اور ساز کے سہارے پر راگ گانے اور ماضی

جلوے دکھانے سے یہ مراد ہے کہ اب تک جس قدر انگریزی تعلیم تم نے حاصل کی ہے گورنمنٹ کی ترغیب سے کی ہے۔ اپنی تعلیم کا آپ فکر نہیں کیا +

بھرے ان کے میلے بچھڑنے لگے اب

یعنی ان کی جماعتیں پراگندہ اور ان کی مجلسیں درہم و برہم اور ان کی سلطنتیں زیر و بالا ہونے لگیں +

بھگوان۔ خدا +

بہوار۔ بیوہار کا بگڑا ہوا ہے۔ معاملہ اور لین دین کو کہتے ہیں +

بھیڑیا چال۔ اوروں کی دیکھا دیکھی کوئی کام کرنا

بیڑا۔ کئی جہاز جو اکٹھے ہو کر کسی مہم پر جائیں +

بے محابا۔ بیدھڑک، بے خوف خطر، اگرچہ اصل لغت میں محابا کے یہ معنی نہیں۔ لیکن اردو میں اسی طرح استعمال ہوتا ہے +

پ

پاک نہاد۔ آزاد، بے باک، بے شرم جس کو کسی کا لحاظ نہ ہو +

پایاب۔ اترا ہوا دریا جس میں کشتی کے بغیر جا سکیں

پتے کا کھڑکا۔ ذرا سی آہٹ۔ تھوڑا سا خطرہ

پربت۔ پہاڑ کو کہتے ہیں +

پرجا۔ رعایا +

پڑے ہیں اک امید کے ہم سہارے

یعنی صرف اسی امید پر کہ ہم مر کر نجات پائیں گے اپنے دلوں کو تسلی دیتے ہیں +

پس از مرگ بخشتے وہ آشکارا۔ قدیم

یونانیوں کا دستور تھا جو شخص اہل کمال مر جاتا اسکو دیوتا قرار دے کر اسکی پرستش کیا کرتے تھے

پود۔ چھوٹے درخت۔ اولاد اور نسل سے مراد ہے

پھبکنا۔ درخت کا جھٹ پٹ بڑھنا اور نشو و نما پانا +

پھبنا۔ زیب دینا

پیوند۔ رشتہ۔ نسبت۔ ازدواج۔ تعلق جوڑنا

ت

تازیانہ۔ کوڑا۔ مجازاً تعزیر +

تاکنا۔ پہلے سے ہی خیال کر رکھنا جیسے ع

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا +

تانا۔ گھی کو گرم کرکے چھاچھ وغیرہ سے صاف

کرنا۔ مجازاً تحقیق کرنا۔ جانچنا +

تدرو اور شہباز سب اوج پر ہیں

تدرو یعنی چکور سے محکوم قومیں اور شہباز سے

حاکم قومیں مراد ہیں +

ترارا بھرنا۔ گھوڑے یا ہرن وغیرہ کا جست

کرنا۔ مجازاً فکر و خیال کی بلند پروازی مراد ہے'

ترقی یہ صنعت کو دی ہے بلا کی۔ یہ

یعنی ایسی اور بلا کی یعنی غضب کی یا انتہا درجہ کی

تعصب۔ اصل میں بیجا حمایت کرنے کو

کہتے ہیں۔ مگر چونکہ بیجا مخالفت اسکو لازم ہے اس لئے

دونوں پر تعصب کا اطلاق ہو سکتا ہے +

تعیش میں جینا نمایش پہ مرنا۔

تعیش اصل لغت میں کم معاش ہونا ہے مگر اُردو میں

عیش و کامرانی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے

عیش اصل میں زندگی کو کہتے ہیں۔ مگر فارسی اور

اُردو میں اس کے معنی کچھ اور ہو گئے ہیں۔ نمایش

پہ مرنا یعنی خود نمائی پر فریفتہ ہونا +

تفحص۔ کرید۔ جستجو کرنا۔ ڈھونڈ کرنا

تقویم پارینہ۔ پرانی جنتری جو کسی کام کی نہ رہے

تلقین۔ سمجھانا۔ تعلیم کرنا۔ سکھانا +

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا

اس میں عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے جو مسیح کو

خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ یہ ایک حدیث کا

مضمون ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم

فانما انا عبدہٗ فقولوا عبد اللہ ورسولہٗ

یعنی میری زیادہ تعریف نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے

ابن مریم کی حد سے زیادہ تعریف کی۔ مجھ کو خدا کا بندہ اور اس کا رسُول سمجھو +

تمدّن۔ شائستگی اور تہذیب جسے سویلزیشن کہتے ہیں +

توحید مطلق۔ توحید جس میں شرک کا کوئی لگاؤ نہ ہو۔ اور خدا کے سوا کسی کی پرستش جائز نہ ہو۔ مطلق کے معنی بے قید اور آزاد کے ہیں ؛

تو سمجھے کہ گویا ہم اب تک تھے گونگے

عرب کے لوگ اپنی فصاحت کے آگے سب کو عجم گونگا کہتے تھے۔ اس مصرعہ میں صرف اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے +

تورّع۔ پرہیزگاری۔ بدی سے بچنا +

تہامی۔ تہامہ کا رہنے والا۔ جس سرزمین میں مدینہ منورہ ہے اس کا نام تہامہ ہو۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تہامی کہتے ہیں

تھڑ جانا۔ تھوڑا ہو جانا۔ کم ہو جانا +

تہمت تراشنا۔ کوئی جھوٹی بات دل سے گھڑ کر نکالنی +

ٹ

ٹمٹمانا۔ چراغ کا بجھتے وقت کم کم روشنی دینا

ٹھٹکنا چلتے چلتے رُک جانا +

ٹھننا۔ کسی کام کا پختہ طور سے قرار پانا +

ٹیگس۔ اسپین میں سب سے بڑی ندی ہے اس کا طُول تخمیناً ۵۵۰ میل ہے ارگوں کی حد سے نکلتی ہے اور لسبن میں سمندر سے جا کر ملی ہے ؛

ج

جادہ۔ راستہ۔ پگ ڈنڈی۔ بٹیا +

جائزہ۔ جانچ پڑتال +

جتانا۔ خبردار کرنا۔ اِطلاع دینا +

جرح و تعدیل۔ محدثین کی اصطلاح میں راوی کے عیب ظاہر کرنے کو جرح اور اس پر سے

اعتراض دفع کرنے کو تعدیل کہتے ہیں +

جرگہ۔ گروہ۔ جماعت +

جزیرہ نما۔ خشکی کا وہ قطعہ زمین جس کے تین طرف پانی ہو اور ایک طرف خشکی ہو +

جسے راج رَدّ کر چکے تھے وہ پتھر الخ

اس مصرعہ میں اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہی جو انجیل متی کے باب ۲۱ میں ہی اور جس کو مُسلمان نبی اسمٰعیل کے حق میں سمجھتے ہیں معمار کا پتھر کو رد کرنا یعنی اسکو بیکار سمجھ کر پھینک دینا

جعفری۔ شیعی +

جمانا۔ تسلی دینا، یقین دلانا۔ ارادہ پختہ کرنا

جُوا۔ (۱) قمار (۲) وہ لکڑی جو گاڑی کے بیلوں کی گردن پر رکھی جاتی ہی +

جوبن۔ حُسن و جمال، خوبی، خوبصُورتی،

جوتا۔ بواو مجہول کاشتکار +

جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی ٹیگس

اندلس یعنی اسپین میں سب سے بڑی ندی ساڑھے پانسو میل لمبی ہی۔ مطلب یہ ہے، کہ اسلام ٹیگس سے گنگا تک یعنی اسپین سے ہندوستان تک پھیل گیا +

جو لنکا میں ڈیرا تو بربر میں گھر تھا۔

مقصُود یہ ہی کہ جن کا ڈیرہ یعنی خیمہ جو سفر کی علامت ہی لنکا میں تھا انکا گھر بربر میں تھا۔ جو افریقہ کے شمالی حصّہ میں ہی یعنی اتنی دُور جا کر بود وباش اختیار کرتے تھے، چنانچہ لنکا میں اب تک عرب کی نسلیں موجُود ہیں +

جہاز اہل روما کا تھا ڈگمگاتا الخ

روم والے چونکہ تمام بحر روم پر حکمران تھے اس لئے اُنکی سلطنت کو جہاز سے اور ایرانیوں کی سلطنت کو آتش پرستی کی رعایت سے چراغ کے ساتھ تشبیہ دی ہی +

جہاں کو ہی یاد اُنکی رفتار اَب تک

اس ہند میں کئی نام ہیں (۱) ملایا مشرقی بحر ہند
میں ایک جزیرہ نما ہو (۲) ملیبار بحر ہند کے مغربی
ساحل پر واقع ہو (۳) ہمالہ مشہور پہاڑ (۴)
جبرالٹر انگریزی میں جبل طارق کو کہتے ہیں۔
عبدالرحمٰن موسیٰ بن نصیر نے جب اپنے غلام
طارق کو اندلس کی مہم پر بھیجا تو وہ اوّل اسی
پہاڑ پر پہنچا تھا اور اسی لئے اس پہاڑ کو جبل الفتح
بھی کہتے ہیں +

جھنڈ - بہت سے درختوں کا مجمع +

جی چرانا - جان بچانا - کوتاہی کرنا +

جی چھوڑنا - ہمت توڑنا +

جی سے گزرنا - مرجانا - مرنے پر آمادہ ہوجانا

چ

چار پیسے - تھوڑا سرمایہ - تھوڑی طاقت

چال - رفتار - داؤ - فریب +

چال ڈھال - چال چلن - روش - طریق

چراغاں - روشنی +

چرکس - سرکیشیا کے باشندے +

چھاننا - تحقیق کرنا - پڑتال +

چھٹنا - معزول و برطرف ہونا - تخفیف میں آنا +

چڑانا - ایسی بات کہنی جسے کوئی برا مانتا ہو +

چکھاتا ہو دُردِ قدح سب کو ساقی
یہاں ساقی سے مراد زمانہ ہے +

چیند - کھیل یا بازی میں بدمعاملگی کرنا +

ح

حاشیہ چڑھانا - اصل بات میں اپنی طرف سے کچھ بڑھانا

حجازی - حجاز عرب میں ایک پہاڑی سلسلہ ہو
جو یمن سے شام تک چلا گیا ہو چونکہ مکہ معظمہ اسی
سلسلہ میں ہو اسی لئے اہل مکہ کو حجازی کہتے ہیں +

حرا - مکہ معظمہ کے پاس ایک غار ہو۔

حریم خلافت - مراد بغداد ہو جو عباسیوں
کا دارالخلافہ تھا +

حِکَم۔ حکمت کی جمع +

حکم ناطق ۔ روزمرہ کی بول چال میں ضروری حکم اور تاکیدی حکم کو کہتے ہیں +

حکومت تھی گویا کہ اک جھول تم پر الخ

یعنی جس طرح جھول (ملمع) کے اڑجانے سے دھات کی اصلیت ظاہر ہوجاتی ہے اسی طرح حکومت کے جاتے رہنے سے تمہارے جوہر یعنی عیب ظاہر ہوگئے۔ عیبوں کو بطریق استہزا جوہر بولتے ہیں جیسے حماقت کو عقلمندی کہتے ہیں +

حکومت ملی انکو صفّار تھے جو الخ

خراسان میں صفاریوں کی حکومت تیس برس رہی ہے۔ یعقوب بن لیث ان کا پہلا بادشاہ ہے صفّار ٹھٹیرے کو کہتے ہیں یعقوب اول یہی کام کرتا تھا۔ پھر حاکم سیستان کے ہاں نوکر ہوگیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ خراسان وغیرہ وکرمان اور فارس وغیرہ ممالک ایران پر مسلط ہوگیا قصار دھوبی کو۔ نجار بڑھئی کو، سراج زین گر کو، حلاج دھنئے کو کہتے ہیں۔ بڑے بڑے ائمۂ دین اور علما ریہ تمام پیشے کرتے تھے +

حمیم آب وزقّوم کھانا ہی جن کا حمیم گرم پانی جو دوزخیوں کو پلایا جائیگا اور زقوم تھوہر جوان کو کھلایا جائے گا +

خ

خازن علم دین ۔ صاحب علم حدیث خازن خزانچی کو کہتے ہیں۔ اور علم دین علم نبی اکثر علم حدیث کو کہا جاتا ہے +

خاک اڑانا مٹی خراب کرنی ہنسی ہنسی میں ذلیل کرنا +

خاکدان ۔ دنیا۔ زمین +

خبر۔ اور اثر حدیث کی دو قسمیں ہیں +

خدائی۔ دنیا، کائنات۔ جلوہ، قدرت الٰہی

خدا کی زمین بن جتی سرسبز تھی

طبع بشری کو جبکہ وہ تہذیب سے عاری تھی بن جتی زمین سے تشبیہ دی ہے +

خرابات - شراب خانہ +

خس کم جہاں پاک - جب کوئی نالائق آدمی مرجائے یا کہیں چلا جائے تو یہ مثل بولی جاتی ہے

خلاف آشتی سے خوش آیند تر تھا

یعنی نیک نیتی سے جو وہ آپس میں دین کی باتوں پر جھگڑتے تھے یہ اس آشتی سے زیادہ خوشنما اور بہتر تھا جس میں اکثر دل صاف نہیں ہوتے +

خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

ایک بار حضرت عمرؓ زیادہ مہر باندھنے کی ممانعت منبر پر چڑھ کر کر رہے تھے - ایک بڑھیا نے کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھی اِنْ اٰتیتم احدٰھنّ قنطارًا فلا تاخذوا منہ شیئًا اور کہا کہ خلیفہ ہو کر قرآن کو نہیں سمجھتا حضرت عمرؓ نے کہا "عمر سے سب کا علم زیادہ ہے یہاں تک کہ بڑھیوں کا بھی" اور پھر کبھی بڑا مہر باندھنے کی ممانعت نہ کی +

خوارزم - خراسان کے شمال میں بحیرہ خوارزم یعنی جھیل یورال تک ایک ملک ہے جس کا دارالحکومت اس زمانہ میں خیوا ہے ابتدائے اسلام سے سلطان محمد خوارزم شاہ تک جس کا خاتمہ چنگیز خاں نے کیا بڑے جلیل القدر مسلمان بادشاہ یہاں حکمراں رہے ہیں - اب روس کے ماتحت ہے - کرکانج جرجانیہ خیوا، مخشر، اور ہزار اسکے بڑے شہر ہیں :

خیر الامم - سب امتوں سے بہتر - اس آیت کی طرف اشارہ ہے : کنتم خیر امّۃٍ اُخرجت للناس +

خیر القرون - سب زمانوں سے بہتر زمانہ اس حدیث کیطرف اشارہ ہے خیر القرون

قَرنی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم

خیر الوریٰ - بہترین عالم +

د

دِرا - جرس - گھنٹا جو قافلوں کے ساتھ رہتا ہے تاکہ بھولے ہوئے مسافر اُس کی آواز سُن کر قافلہ سے آملیں +

درایت - حدیث کی پرکھ +

ڈڑیڑا - سخت بارش +

دست وگریباں رہنا - خصومت و نزاع رکھنا +

دشت ودر - جنگل اور پہاڑ +

دعائے خلیل اور نوید مسیحا - اس مصرع میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں اپنے دادا ابراہیم کی دعا اور اپنے بھائی عیسیٰ کی بشارت ہوں" کیونکہ ابراہیم نے جیساکہ سورہ بقر کے رکوع ۱۵ میں مذکور ہے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں میں ایک نبی انہیں میں سے بھیج۔ اور عیسیٰ نے جیساکہ سورہ صف کے پہلے رکوع میں اور انجیل یوحنا کے سولھویں باب میں ہے اپنی قوم کو بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آویگا۔ جس کا نام فارقلیط یا احمد ہوگا +

دفتر اُلٹنا - اِدبار آنا +

دفتر گاؤ خورد ہونا - دفتر کا برباد اور تلف ہونا

دِل اکھڑنا - مایوسی سے دل برداشتہ ہونا۔ اداس ہونا

دِل امنڈنا - رقت سے دِل کا بھر آنا +

دِل بڑھانا - حوصلہ دلانا۔ ہمت بڑھانا +

دَم پر بننا - بدحالی میں گرفتار ہونا +

دَم تڑانا - بے دم کردینا +

دَم دینا - فریب دینا +

دمشق - شام کا قدیم مشہور بڑا شہر ہے +

دَھت ۔ جو حالت اعتدال سے بڑھ جائے

دُھن ۔ جو خیال ہر وقت بندھا رہے۔

دُھندلکا ۔ تاریکی اور روشنی کے درمیان ایک تیسری حالت ہی جس میں اچھی طرح محسوس نہ ہو اور مجازاً تاریکی کو بھی کہتے ہیں ÷

دَیلم ۔ گیلان کے پاس ایک پہاڑی ملک بحیرہ کیسپین کے جنوب میں واقع ہی جو پہلے ایران میں شامل تھا اور اب رُوس میں داخل ہے اس ملک کے باشندوں کو بھی دیلم کہتے ہیں جن کے بال اکثر گھونگریالے ہوتے ہیں +

دیوانِ ماژندرانی ۔ ولایت ماژندران دیلم اور گیلان کے مشرق میں ہی اس نواح کے اکثر باشندے اب رُوس کے ماتحت ہیں جنکو فردوسی نے شاہنامہ میں ماژندران کے دیو کہا ہے ۔ مگر اب یورپ کے فنون جنگ نے ان کو بھی مغلوب کر دیا +

ڈ

ڈرایا تعصب سے اُن کو یہ کہکر الخ

اس بند میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہی:۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلیٰ عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّۃً وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلیٰ عَصَبِیَّۃٍ حُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ +

ڈروایسے چپ چاپ یغمائیوں سے

یغما لوٹ اور یغمائی لٹیرا ۔ کاہل اور نکمے آدمی اگرچہ بظاہر ملک کو نہیں لوٹتے مگر چونکہ انکا اثر سوسائٹی پر بُرا پڑتا ہی اس لئے ان کو چپ چاپ یغمائی کہا وہ چپکے چپکے ملک کو لوٹ رہے ہیں۔

ڈھور ۔ بہائم، چوپائے +

ذ

ذِمّی ۔ غیر مسلم لوگ جو مسلمانوں کی امان میں رہیں +

ذرا پھر کے پیچھے وہ جب دیکھتے ہیں یعنی

جب زمانہ گذشتہ میں اپنے بزرگوں کی حالت
پر نظر ڈالتے ہیں +

ر

رازی۔ رے کا باشندہ۔ رے عراق عجم کا
قدیم شہر ہے۔ یہاں رازی سے مراد امام
فخرالدین رازی ہیں جس کی ولادت ۵۴۳ھ
میں ہوئی تھی +
یہ بڑا جلیل القدر مسلمان عالم گذرا ہے اسکی تصانیف
مختلف علوم و فنون اور مذہب میں پچاس کے
قریب گنی گئی ہیں۔ جن میں سے قرآن کی تفسیر
بارہ جلدوں میں ہے +

راس۔ سازگار۔ موافق

راس الاطبا۔ طبیبوں کا سر۔ بڑا طبیب

راس البضاعت۔ راس المال
عمدہ پونجی۔ اعلیٰ سرمایہ +

راعی۔ چرواہا۔ ریوڑ کا رکھوالا۔ اس لفظ
کا اطلاق اکثر انبیاء پر کیا گیا ہے +

راوی۔ حدیث کا روایت کرنے والا +

راہب۔ عیسائیوں کا درویش +

ربع مسکوں۔ کرہ زمین میں چوتھائی
خشکی اور تین چوتھائی پانی مانا جاتا ہے ایک
چوتھائی خشکی کو ربع مسکوں کہتے ہیں +

ریپبلک۔ سلطنت جمہوری جس میں تمام
رعایا کو وضع قوانین میں مداخلت کا حق ہو

رجال و اسانید کے جو ہیں دفتر
رجال سے مراد علم رجال ہے جس میں حدیث
کے راویوں کا حال پوری صحت کیساتھ
لکھا گیا ہے اور اسانید سے مراد علم حدیث ہے

ردا۔ چادر +

رسیا۔ شوقین +

رصد۔ پہاڑ یا نہایت بلند جگہ پر ایک
عمارت بناتے ہیں جس میں بیٹھ کر ستارہ

شناس اوضاع و حالات کواکب کو دیکھتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں اسکو رصد کہتے ہیں +

رعونت۔ اردو میں بمعنی تکبر اور غرور +

رکھوال ۔ نگاہبان ۔ پاسبان +

رمق۔ بقیہ جان مجازاً قدر قلیل +

رمنا۔ سیرگاہ ۔ گذرگاہ +

روایت۔ حدیث کو نقل یا بیان کرنا +

رو دینا ۔ عاجز ہونا ۔ جیسے ع جہاں جا کے دیتا ہو رو ابر نیساں +

روحانی ۔ جو لوگ مذہب کو صرف روحانیات میں حصر کرتے ہیں، جیسے عیسائی +

روکھ ۔ درخت +

روم۔ یا روما ۔ قدیم رومیوں کا دارالسلطنت جو اب اٹلی میں واقع ہے ۔ یہ شہر دریائے ٹائبر کے کنارے پر بحیرہ روم سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہو ۔ رومیوں کے شہنشاہی عہد میں یہی شہر دارالسلطنت تھا ۔ جہاز کو روما کے ساتھ اور چراغ کو آتش پرستوں یعنی قدمائے اہل فارس کے ساتھ جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے،

رہا سر پہ باقی نہ سایہ ہما کا ۔ ہما کے سایہ سے مراد اسلام کی برکت ہے +

رہبان و احبار۔ رہبان جمع راہب عیسائیوں کے درویش ۔ احبار جمع حبر یہود کے علما +

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ۔ آبی سے جزیروں اور بندرگاہوں کے باشندے مراد ہیں ۔ اور خاکی سے اندرونی خشکی کے باشندے مراد ہیں +

رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت

یعنی جب نبی کی تعلیم سے خدا نے بندوں کو دین حق سے مطلع کر دیا اور کسی کو یہ کہنے کا منصب نہ رہا کہ ہم پر خدا نے نبی نہ بھیجا +

ریگی نئی پود یا پال کب تک۔ نئی پود۔ نسل اولاد یعنی کب تک اولاد کو اپنے تعصبات سے زمانہ کے لایق نہ بننے دوگے +

ریشہ دوانی۔ درخت کی جڑوں کا زمین میں دُور تک پھیل جانا۔ مجازاً دلوں میں اثر پہنچانا

ز

زابلی۔ قدیم زمانہ میں زابل کے نام سے وہ ملک مشہور تھا جسکے مشرق میں کابل مغرب میں سیستان۔ جنوب میں سندھ اور شمال میں کوہستان ہزارہ ہے۔ قندھار غزنین۔ میمند اور اور فراہ وغیرہ اسکے مشہور شہر تھے۔ کیانیوں کے زمانہ میں یہ ملک رستم کے خاندان کی حکومت میں تھا۔ وہاں کے باشندوں کو زابلی اور زابلستانی کہتے ہیں +

زورق۔ چھوٹی کشتی +

س

ساتوں سمندر۔ اس لفظ سے بر وئے محاورہ کل سمندر مراد لئے جاتے ہیں اس کا ماخذ سبعۃ ابحر کا لفظ ہے جو قرآن میں آیا ہے اور وہاں اس سے وہ ساتوں سمندر مراد ہیں جو عرب کے ارد گرد دُور یا نزدیک واقع ہیں جیسے بحیرۂ رُوم، بحیرۂ قلزم۔ بحر عرب۔ بحر ہند۔ بحر عمان۔ بحر فارس۔ بحر اسود +

ساسانی۔ ساسان پسر بہمن بن اسفندیار کی اولاد میں جو بادشاہ ہوئے ہیں وہ ساسانی کہلاتے ہیں +

سام۔ رستم کے دادا کا نام ہے +

سبب و علامت۔ طب کی اصطلاح میں سبب وہ چیز ہے جس سے مرض پیدا ہو اور علامت وہ جس سے مرض پہچانا جائے +

سپوت۔ لائق اور قابل بیٹا طعناً نالائق

بیٹے کو بھی کہتے ہیں +

سبق پھر شریعت کا الخ شریعت سے مراد اعمال ظاہری اور حقیقت سے مراد اعمال باطنی،

سراب - صحرا کی ریت جو دھوپ میں ذرّوں کی چمک کے سبب دُور سے مسافروں کو بہتے ہوئے پانی کی شکل میں دکھائی دے +

سر برہونا - عہدہ برآ ہونا +

سرّ تکوین - پیدائش کا بھید +

سکندر کو دارا پہ ہی تو چڑھاتی - یعنی سکندر جو دارا کے مقابلہ میں بہت کم طاقت تھا اسکو دارا جیسے زبردست بادشاہ پر چڑھائی کرنیکا حوصلہ اسی امید کے سہارے پر ہوا تھا +

سکھائی انہیں نوع انساں پہ شفقت اس بند میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہو۔ احسن الی جارک تکن مؤمنا واحب للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما :-

اس سے اگلے بند میں دونوں حدیثوں کا ترجمہ ہے لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

سلرنو - اٹلی کا مشہور شہر ہو وہاں مسلمانوں کا ایک نامی مدرسہ تھا جس میں طب کی علمی و عملی تعلیم ہوتی تھی اور یورپ کے اکثر لوگ طب سیکھنے کو یہاں آتے تھے +

سلسبیل - جنت کی ایک نہر کا نام ہو

سلیمان ع نے کی حق سے جسکی تمنا اس میں حضرت سلیمانؑ کی اس دُعا کیطرف اشارہ ہو جس کے الفاظ قرآن یہ ہیں:-

وهب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی +

سمجھتے ہیں گمراہ جنکو مسلماں - اس بند میں مسلمانوں کو غیرت دلائی گئی ہے کہ جن قوموں کو وہ مذہب کی رو سے گمراہ اور اہل باطل سمجھتے ہیں ان کے ہاں

ہمدردیٔ انسان اور خیر خواہی قوم و ملک جو کہ
اعلیٰ درجہ کی نیکی ہو ایسی اور ایسی ہو +

سمرقند سے اندلس تک الخ سمرقند اور اندلس
کی رصدگاہوں کے کھنڈراب تک موجود ہیں۔
مراغہ آذربائیجان میں مروان بن محمد کا آباد کیا
ہوا شہر ہے۔ اس شہر کے باہر ایک بلندی پر ہلاکو
خان نے اپنے عہد میں محقق طوسی وغیرہ سے
ایک رصدگاہ بنوائی تھی۔ قاسیوں دمشق کے
شمال میں ایک پہاڑ ہے۔ کہتے ہیں کہ قابیل نے
ہابیل کو یہیں قتل کیا تھا۔ مامون رشید نے
سنہ ۲۱۵ھ میں قاسیون اور بغداد میں خالد
بن عبدالملک وغیرہ سے رصدگاہیں بنوانی
شروع کی تھیں سنہ ۲۱۸ھ میں جب وہ مرگیا
تو وہ رصدگاہیں ناتمام چھوڑ دی گئیں پھر
شرف الدولہ دیلمی نے دوبارہ بغداد میں ویجن
بن رستم کوہی وغیرہ سے رصدگاہ بنوائی +

سمندر کی آئی نہ تھی موج واں تک
سمندر سے مراد علم ہے۔ یعنی اس وقت تک علم کا
قدم وہاں نہیں آیا تھا +

سمور۔ لومڑی کی کھال کی پوستین +

سنجار۔ یہ دجلہ و فرات کے مابین دیار ربیعہ
میں ایک شہر ہے۔ یہاں ایک بڑا لق و دق
میدان ہے جسکو عرب بریّہ کہتے ہیں ایک بار
اس میدان میں اور دوسری بار کوفہ کے
میدان میں مامون کے حکم سے مہندس جمع
ہوئے تھے اور کرۂ ارض کے ایک درجہ دائرہ
عظیمہ کی پیمائش کی اور محیط کو چوبیس ہزار
میل مشخص کیا اور موسیٰ کے چاروں بیٹے
ابوجعفر محمدؐ احمد اور حسین جن کی کتاب حیل بنی
موسیٰ مشہور ہے اس کام پر بھیجے گئے تھے +

سنگلاخ۔ پتھریلی زمین سخت زمین +

سیاست۔ انتظام ملک +

سیانی۔ بیائے مخلوط بروزن گیانی بصفت مونث
ہوشیا۔ سمجھدار +

سیلون۔ جزیرہ لنکا +

ش

شاذ۔ نادر قلیل الوجود +

شامات۔ ملک شام کو اس کے مختلف حصوں
کے لحاظ سے شامات بھی کہتے ہیں، جیسے گیلانات
اور شروانات گیلان اور شروان کو کہتے ہیں،

شش جہت۔ دائیں۔ بائیں آگے
پیچھے، اوپر، نیچے یہ چھ سمتیں ہوئیں۔ اس سے
اکثر تمام دنیا مراد لیتے ہیں +

شفا۔ بوعلی سینا کی کتاب کا نام ہے جو تمام
فنون حکمت کی جامع ہے اور اسکی ۱۰ جلدیں ہیں

شماتت۔ جس طرح کسی کو اچھے حال میں دیکھکر
جلنے کو حسد، اسی طرح برے حال میں دیکھکر
خوش ہونے کو شماتت کہتے ہیں +

شوب۔ دھوب۔ کپڑے کا ایک بار دُھلنا؛

شوشہ۔ ریزہ۔ حرف کا سرا۔ مسدس میں اس
لفظ سے انجیل کی اس عبارت کی طرف اشارہ
ہے جس میں عیسیٰ فرماتے ہیں کہ جب تک آسمان
اور زمین نہ ٹلیں گے توریت کا ایک نقطہ یا ایک
شوشہ نہ ٹلے گا۔ یعنی حکمائے یونان کی کتابوں کو
مُسلمان بھی گویا ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ
حضرت عیسیٰ نے توریت کی نسبت فرمایا ہے،

شیر مادر۔ مباح۔ حلال +

شیوا بیانی۔ فصاحت و بلاغت +

ص

صاحبقرانی۔ صاحبقران وہ بادشاہ جسکی
ولادت کے وقت زہرہ و مشتری ایک برج میں
ہوں یہ بڑی اقبالمندی کی بات سمجھی جاتی
ہے مجازاً ہر اقبالمند اور کامران بادشاہ
کو بھی کہتے ہیں +

صائم۔ روزہ دار +

صدیق۔ نہایت سچا +

صراحی نہ طنبور مطرب ساقی۔ چونکہ مسلمانوں
کے علوم اور کمالات وغیرہ کو بزم سے تشبیہ دیگئی
ہو۔ اس لئے اسکے لوازم کو سامانِ مجلس یعنی صراحی
و طنبور وغیرہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے +

صفا۔ صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں جنکے
بیچ میں سات بار پے درپے دوڑنے کا حکم ہو جب
حضرت سارہ کے کہنے سے حضرت ابراہیم نے
حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو ایک بے آب و دانہ
میدان میں چھوڑ دیا اور وہ ان سے جدا ہو کر صفا
اور مروہ پہاڑیوں میں پہنچے تو اضطراب کی حالت
میں ان پہاڑیوں کے درمیان کبھی تیزی سے
آگے بڑھتے تھے اور کبھی پیچھے ہٹ آتے تھے۔
اس امر کی یادگار میں مسلمانوں کو ایام حج میں
ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑنے کا حکم دیا گیا ہے

صوت۔ آواز +

صور۔ بحر شام کے کنارے پر شام کا ایک نہایت
قدیم شہر ہو۔ کہتے ہیں کہ یونان کے اکثر حکما اسی
شہر کے تھے۔ مسلمانوں نے یہ اور عکا سنہ ۶۶۰ھ
میں فتح کیا تھا اور اب مدت سے ویران ہو +

صیدا۔ دمشق سے ۶۶ میل بحر شام کے
کنارے پر ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا جسمیں
متعدد قلعے تھے +

ض

ضحاک۔ قدیم ایران کا ایک مشہور ظالم اور
زبردست بادشاہ ہو جو جمشید کے بعد فرمانروا
ہوا اور جسکو فریدون نے باوجود بے سروسامانی
کے کاوہ آہنگر کی حمایت سے مغلوب اور
ہلاک کیا اور خود اسکی جگہ فرمانروا ہوا +

ط

طبق۔ اس سے رُوئے زمین یا نصف

کرۂ زمین جس کو انگریزی میں ہیمسفیر کہتے ہیں۔
مُرادلی ہے +

طبقہ۔ ہمعصر لوگ +

طغرل۔ سلجوقیوں کے سلسلہ کا پہلا بادشاہ
الپ ارسلاں کا چچا اور سلجوق کا پوتا جو ۵۴۴ھ
میں تخت نشین ہوا ۔

طفیلی۔ وہ شخص جو مہمان کے ساتھ بن بلائے
دعوت میں چلا جائے۔ مجازاً وہ لوگ جنکے کام
اوروں کے طفیل چلتے ہوں +

طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا۔ یعنی
محدثین اسلام نے راویوں کے حالات کی
تنقیح آزادی اور انصاف سے کی۔ مقدس لوگ
جن کے عیوب بشری پرہیزگاری کے پردہ میں
چھپے ہوئے تھے انکو ظاہر کر دیا تاکہ طالبانِ حدیث
دھوکا نہ کھائیں +

طوسی۔ طوس مشہد مقدس کا قدیم نام ہے اور
یہاں طوسی سے مراد خواجہ نصیر الدین محقق طوسی
جو ساتویں صدی ہجری کا اسلامی حکیم اور ہلاکو خاں
کا مشیر خاص تھا۔ اسکی تصانیف اکثر علوم و
فنون میں ابونصر اور بو علی کی تصنیفات کے بعد
سمجھی جاتی ہیں +

ع

عاری۔ اردو میں بمعنی عاجز اور قاصر استعمال
ہوتا ہے +

عاریت۔ مستعار، مانگے کی چیز +

عبا۔ کمبل +

عباسی۔ رسول خدا کے چچا عباس کی اولاد
جن کی خلافت بغداد میں عرصہ دراز تک رہی +

عبرت۔ کسی کے حال کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرنی

عترت۔ اولاد

عجم۔ عرب اپنے سوا اور تمام ممالک کو عجم کہتے ہیں

عراق۔ جو ملک دجلہ کے دونوں طرف خلیج فارس

تک چلا گیا ہے اور جس میں عباسیوں کا دارالخلافہ یعنی بغداد واقع ہے +

عراقین - دونوں عراق یعنی عراق عرب اور عراق عجم جو کہ ایران کا پہاڑی حصہ ہے اور جس کو بلاد الجبل کہتے ہیں +

علم نبی - علم حدیث +

عمان - بحر عمان عرب اور بلوچستان کے درمیان ہے +

عنوان - انداز - طریقہ +

غ

غریبونکو محنت کی رغبت دلائی الخ

اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ من طلب الدنیا حلالاً استعفافاً عن المسئلة وسعیاً علی اهله وتعطفاً علی جاره لقی الله تعالیٰ یوم القیمة ووجهه مثل القمر لیلة البدر یعنی جو شخص جائز ذریعہ سے روپیہ اس غرض سے کمائے کہ بھیک مانگنے سے بچے اور بال بچوں کے لئے کوشش کرے اور اپنے ہمسایوں پر مہربانی کرے ایسا شخص قیامت کے دن خدا سے ملے گا اور اُس کا چہرہ مثل چودھویں رات کے چاند کے روشن ہوگا +

غزلخواں - چونکہ عرب پرستان کا اطلاق کیا گیا ہے - اس لئے استعارہ کے طور پر عاشقوں کو بلبل غزلخواں کہا گیا ہے +

یورپ کے مؤرخین مثلاً ایڈورڈ گبن - ہنری لوئس - ڈاکٹر ہیلی - سڈیو فرانسیسی سکندر ہیملٹ وغیرہ وغیرہ اس بات کے معترف ہیں کہ ہمارے فضل و کمال کا سرچشمہ عرب تھا +

غسّال - مُردہ کو غسل دینے والا +

غش - اُردو میں بمعنی فریفتہ و مفتوں استعمال ہوتا ہے +

غنیمت - لُوٹ کا مال +

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے۔ یہ
حدیث کا ترجمہ ہے اغتنم خمسا قبل خمس شبابک
قبل ھرمک وصحتک قبل سقمک وغناک قبل فقرک
وفراغک قبل شغلک وحیوتک قبل موتک +

ف

فاران ۔ دیکھو (قبیلے قبیلے کا بت)

فاش کرنا ۔ ظاہر کرنا +

فتاویٰ ۔ فقہ کی مبسوط کتاب جس میں ہر قسم
کی جزئیات فقہ بلا دلیل بیان کی گئی ہوں +

فتوح ۔ اردو میں اس منفعت کو کہتے ہیں
جو بلا محنت حاصل ہو +

فدائی ۔ فدا اور قربان ہونے والا

فرع و اصل ۔ فرع وہ دینی مسئلہ جو عمل سے
متعلق ہو اور اصل وہ جو عقائد سے تعلق رکھتا ہو

فصاحت کے دفتر تھے سب گاؤ خوردہ
یورپ کے مصنف کہتے ہیں کہ عرب کے علم ادب نے
روم اور یونان کے ادب میں از سر نو جان ڈالی
تھی۔ اورینٹل ٹرنسلیشن کمیٹی کی پہلی تجویز میں
اس بات کا اقرار کیا گیا تھا کہ فن ادب و قصص
وحکایات میں اب تک کوئی عرب سے بڑھ کر نہیں ہوا

فضائل ۔ نیک اور پسندیدہ خصلتیں کمالات

فطرت ۔ جس خلقت +

فلاحت ۔ بیج بونے اور درخت لگانے کی
صنعت، فلاّح ماہر علم فلاحت کو کہتے ہیں +

فلاطون ۔ ایتھنز پایہ تخت یونان کا رہنے
والا سقراط کا شاگرد مشہور حکیم ہے ۸۱ برس کی عمر
میں حضرت عیسیٰ سے ۳۴۸ برس پہلے فوت ہوا

فریدوں ۔ دیکھو (ضحاک)

فلاکت ۔ افلاس، تنگدستی +

ق

قالب ۔ جسم۔ محل روح ۔ اردو میں بکسر لام ہے

قبلہ کج ۔ یعنی قبلہ باطل

قبیلے قبیلے کا اک بُت جُدا تھا الخ
ہبل، صفا، عزیٰ، نائلہ۔ لات، منات، اساف
وغیرہ وغیرہ بہت سے بُت تھے اور ہر ایک بُت کسی
خاص قبیلے سے مخصُوص تھا۔ مِہر انور سے مُراد
جلوہ حق ہے فاران سے مراد مکّہ کا پہاڑ ہے۔ اس
بند کے اخیر شعر میں اس بشارت کی طرف اشارہ
ہے جو بعثت آنحضرت کی بابت توریت اور حبقوق
نبی کی کتاب میں مسطور ہے توریت میں اس کے
ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں "خدا سینا سے نکلا اور
ساعیر سے چمکا اور فاران سے ظاہر ہُوا" کوہ سینا
کو موسیٰ سے اور کوہ ساعیر کو عیسیٰ سے اور کوہ
فاران کو آنحضرت صلعم سے نسبت دی ہے۔

قریہ۔ قصبہ۔ گاؤں +

قسیّس۔ عیسائیوں کے علما دین +

قلتین۔ اُردُو کے محاورہ میں نہایت
مستعمل اور مشتبہ اور مکرُوہ پانی یا اس کے ظرف
یا حوض کو کہتے ہیں یہ محاورہ متعصب حنفیوں کا
تراشا ہوا ہے کیونکہ شافعیوں کے ہاں قلتین
وہی حکم رکھتا ہے جو حنفیوں کے ہاں دہ در دہ حوض
مگر حنفی اس کو نجس سمجھتے ہیں +

قلزم۔ جو سمندر عرب اور افریقہ کے بیچ میں واقع
ہے +

ک

کائنات۔ اُردو کے محاورہ میں سرمایہ پونجی
کو کہتے ہیں +

کائی۔ سبزی جو پانی کی نمی سے چونے والی
دیواروں وغیرہ پر جم جاتی ہے +

کہ اسلام پر جن سے قائم ہو بُرہان الخ
یعنی جن کے چال چلن دیکھ کر اسلام کی حقیقت اور
سچائی کا یقین ہو +

کان دھر کر سُننا۔ غور سے سُننا +

کہ بگڑا ہوا یہاں ہے آوے کا آوا۔ آوا

کمہاروں کی بھٹی کو کہتے ہیں جس میں وہ برتن
پکاتے ہیں۔ آوا بگڑنا تمام برتنوں کا بگڑنا، مجازاً
تمام خاندان یا تمام قوم کا بگڑ جانا۔ آوے کا آوا
یعنی تمام آوا جیسے گھر کا گھر یعنی تمام گھر +

کتابِ ہدیٰ۔ قرآن۔ شریعت اسلامیہ

کٹھن مشکل۔ اکثر سخت منزل اور رستے کو
کہتے ہیں +

کہ حب الوطن ہے نشان مومنین کا

اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے :-
حبّ الوطن من الایمان

کہ حکمت کو ایک گم شدہ لال سمجھو۔ اس
میں ذیل کی حدیث کی طرف اشارہ ہے :-
الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا

کد۔ اردو میں بمعنی ہٹ کرنے اور اصرار کے
استعمال ہوتا ہے +

کرتبی۔ سپاہ گری کے فن میں مشاق ماہر

کرشمہ۔ اردو میں کوئی تعجب انگیز بات مجازاً جلوہ
یا شعبدہ +

کرو ختم بندوں پہ مالک کی حجت

یعنی شریعت اسلام کو دنیا میں اس قدر پھیلاؤ
کہ پھر کسی کو یہ عذر باقی نہ رہے کہ خدا کا پیغام ہم کو
نہیں پہنچا +

کڑھنا۔ رنج کرنا +

کسی کو اتارا کسی کو چڑھایا۔ اتارنا
رتبے سے گرانا اور چڑھانا حد سے زیادہ بڑھا
دینا۔ یعنی جیسا موقع ہوتا ہے ویسی ہی باتیں
کرکے لوگوں کو دام میں لاتے ہیں +

کشف۔ دل کی صفائی سے غیب کا حال
معلوم کرنا +

کرامت۔ اولیا سے خرق عادت ظاہر ہونا

کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں۔ یہ قاعدہ
ہے۔ کہ جب کسی کے واقعی عیب بیان کئے

جاتے ہیں تو وہ بہ نسبت اتہام کے زیادہ بُرا مانتا ہو
اس شعر کا یہی مطلب ہے کہ ہم نصیحت کو ایسا برا مانتے
ہیں کہ گویا ہمیں اپنے عیبوں کا علم ہو لیکن جب
کبھی از راہ نصیحت ہمارے عیب ظاہر کئے جاتے ہیں
تو ہم کو ناگوار ہوتا ہو +

کلبلانا۔ سوتے میں کسی قدر جنبش کرنی +

کمیرا۔ مزدور جو باغبان کے ماتحت کام کرتا ہو +

کنگلا۔ محتاج +

کنول جس سے کھل جائیں دل کے سراسر
یعنی عرب میں سبزہ باغ اور آب جاری وغیرہ میں سے
کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے تو اے انسانی میں شگفتگی
پیدا ہو +

کنونڈا۔ شرمندۂ احسان +

کوفہ۔ عراق کا مشہور شہر +

کوہ آدم۔ لنکا میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہو اسمیں
سب سے اونچی چوٹی قلۂ آدم یا کوہِ آدم ہے +

کوہ بیضا۔ یہ پہاڑ اندلس میں ہو اس کا قدیم نام
سیرا ہو۔ چونکہ اس کی چوٹی اکثر برف سے سفید رہتی
ہو اس لئے عرب اس کو قلۂ بیضا کہتے ہیں۔ اسپین
والے اس کو سیرا البیڈا کہتے ہیں +

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے، قرطبہ
یعنی (کارڈوا) اندلس میں بہت بڑا نامی شہر ہو
جس کی فصیل پتھر کی اور جس میں سولہ مسجدیں اور
نوسو حمام اور پچاس شفاخانہ اور اسی عام مدرسے
خلفاء امویہ کے عہد میں تھے۔ ناصر اموی نے اس
کے غرب میں ایک شہر بالائے کوہ آباد کیا تھا جس
کا نام زہرا اور جس کا ذکر سید یحییٰ قرطبی نے اپنے
مرثیہ اندلس میں کیا ہے +

کہا چھوڑ دینگے سب آخر رفاقت
اس میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہو۔ یتبع
المیت ثلثۃ فیرجع اثنان ویبقی معہ واحدٌ یتبعہ
اہلہ ومالہ وعملہ فیرجع اہلہٗ ومالہ ویبقی عملہ +

کہانت۔ جن اور شیاطین کے ذریعہ سے
لوگوں کو غیب کی خبریں دینی یا جانوروں کی
آواز سے شگون لینا جاہلیت میں اور ابتدائے
اسلام میں کاہن لوگ عرب میں بہت تھے مگر
اسلام نے انکو کالعدم کر دیا +

کہاں ہیں وہ اہرام مصری کے بانی الخ
مصری مصر کو مثلث نما چوٹی مینار ہیں جو دریائے
نیل سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں ان میں
سے ایک مینار دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا
جہاں سے کوئی عمارت ہی نیا ہیں یا قدیم ہوگی
گردان زابلستانی سے مراد رستم کا خاندان ہے پیشدادی
ایران کے گیارہ بادشاہ جو ہوشنگ کی اولاد میں
سے ہوئے ہیں۔ کیانی بادشاہوں سے کیکاؤس
کیخسرو۔ کیقباد اور کے لہراسپ مراد ہیں۔

کھتا۔ زمین دوز کوٹھا جس میں اناج بھرا جاتا ہے

کھٹکا۔ اندیشہ۔ خطرہ

کہ ہمنے بگاڑا نہیں کوئی اب تک الخ
اس شعر میں آیت ذیل کا ترجمہ ہے :۔
إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

کھنڈر۔ نہایت بوسیدہ مکان۔ ٹوٹے پھوٹے
مکانوں کے نشان +

کھوٹ۔ چاندی سونے میں کسی کم قیمت
دھات کی ملاوٹ +

کھونٹ۔ سمت۔ جانب +

کہیں آگ تجتی تھی وہاں بے محابا الخ عرب
میں زمانہ جاہلیت میں مختلف مذہب کے لوگ تھے
صابیین کا فرقہ آگ اور ستاروں کی تعظیم کرتا تھا
عیسائی تثلیث کے قائل تھے اور قریش بتوں
کو پوجتے تھے +

راہب عیسائیوں کے درویش تھے جو
دنیا کی لذتیں ترک کر دیتے تھے۔ کاہن غیب
کی خبریں دیتے تھے +

کھیوا ۔ کشتی ۔ بیڑا +

کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

چاند نے کھیت کیا یعنی طلوع کیا ۔ کوہ حرا مکہ معظمہ سے تین میل ہو اس میں ایک غار ہو جہاں آنحضرت بعثت سے پہلے جا کر ذکر و فکر کیا کرتے تھے ۔ اسی غار کو غار حرا کہتے ہیں سب سے پہلے وحی الٰہی اسی غار میں نازل ہوئی تھی +

کیئی ۔ منسوب بہ کَے ۔ کَے فارس میں شہنشاہ کو کہتے ہیں اور ملوک عجم کے دوسرے طبقے کے چاروں بادشاہ کَے کہلاتے ہیں جس کی جمع کیاں اور یائے نسبت کے ساتھ کیانی ہو پس کیئی وہ چیز جو کیانیوں کی طرف منسوب ہو ۔ جیسے تاج کیئی اور شانِ کیئی +

کھیل بگڑنا ۔ بنے ہوئے کام کا بگڑ جانا ۔

گ

گپ ۔ جو بات بے سروپا اور بے اصل ہو +

گت ۔ حالت ۔ اکثر اس کا اطلاق بُری حالت پر ہوتا ہے +

گدلانا ۔ پانی کا مکدر ہونا +

گرُ ۔ اصول ۔ قاعدہ +

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا ۔ اس گروہ سے مراد محدثین اسلام ہیں اور علم نبی علم حدیث ہو

گل و لالہ رہتے ہیں صحبت میں انکی ۔

گل و لالہ سے مراد طوائف اور ارباب نشاط ہیں ۔

گن ۔ ہنر ۔ جوہر +

گنوانا ۔ ضائع اور برباد کرنا +

گھاٹ ۔ دریا کے کنارے پر وہ مقام جہاں سے مسافر ناؤ میں سوار ہوتے ہیں یا دریا میں اُترتے ہیں +

گھایل ۔ زخمی +

گھٹی ۔ ایک معمولی جوشاندہ جو شیر خوار بچوں کو پلایا جاتا ہو کسی چیز کے گھٹی میں پڑ جانے سے یہ مراد

ہوتی ہو کہ یہ اس عادت ہے +

گھرنا۔ محصور ہونا +

گہنانا۔ چاند اور سورج کا خسوف اور کسوف میں آنا۔

گیان گن۔ علم و فضل +

گیانی۔ علم والے +

گیئں بھول آگے کی بھیڑیں جو بٹیا
بھیڑوں کا قاعدہ ہو کہ سب سے اگلی بھیڑ جس رستے
پر لگ جاتی ہو اس کے پیچھے سب ہو لیتی ہیں اگلے
لوگوں کی اندھا دھند پیروی کرنے والے لوگوں
کی بھی یہی صورت ہے۔ +

گیئں بھول صحرا کی جن کو فضائیں
بھول جانا دو معنوں میں آتا ہو ایک فراموش
کرنا جیسے۔ مصرعہ
گیئں بھول آگے کی بھیڑیں جو بٹیا۔ دوسرے فراموش
ہو جانا۔ یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں یعنی جن کو
صحرا کی ہوائیں بھول گیئں +

ل

لاگ کسی طرح کا تعلق محبت کا ہو یا عداوت کا

لبرٹی۔ انگریزی لفظ ہو بمعنی آزادی +

لبرل۔ آزاد +

لبیک۔ یہ کلمہ حاجی لوگ عرفات میں بار بار
کہتے ہیں اسکے معنی ہیں کہ میں حاضر ہوں اس سے
مراد اطاعت اور انقیاد کا اظہار ہو +

لبیں۔ مونچھوں کے بال جو ہونٹوں پر سے
کتر دیئے جاتے ہیں +

لپٹ۔ آگ کا شعلہ یا خوشبو جو ہوا کے زور
سے دور تک پہنچے +

لچپن۔ شہدپن +

لگن۔ لگاؤ۔ تعلق +

للکارنا۔ رعب ناک آواز سے پکارنا +

لوا۔ جھنڈا +

لو لگانا۔ عاشق ہونا +

لہلہانا۔ ہری کھیتی یا درخت کا ہوا سے ہلنا

لہنا۔ فائدہ۔ تمتع +

لے بڑھانا۔ ترقی دینا ÷

لے کھلنا۔ چھپی بات کا معلوم ہو جانا ÷

م

ماسوا۔ صوفیہ کی اصطلاح میں ذات باری تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے اس کو ماسوا کہتے ہیں اور مسدس میں طنزاً ماسوائے معشوق مجازی سے مُراد لی گئی ہے +

مامن۔ امن کی جگہ۔ ٹھکانا۔

ماں جائی بہن۔ سگی بہن۔

ماویٰ۔ ٹھکانا ÷

ماورائے شریعت یعنی شریعت سے پرے جیسے کہ جاہل صوفی سمجھتے ہیں کہ طریقت شریعت سے جُدا ہے +

مُبتذل۔ ذلیل۔ بے قدر ÷

مبرّا۔ پاک +

مبعوث ہونا۔ نبی کا بھیجا جانا +

متین۔ مضبُوط +

مثالب۔ برائیاں +

مجسطی۔ حکیم بطلیموس کی کتاب ریاضی میں ہے جس کو محقق طُوسی نے عربی میں ترجمہ کیا ہے ÷

مدوجزر۔ اتار چڑھاؤ۔ جوار بھاٹا۔ اس کتاب کا نام مدوجزر اسلام اس سبب سے ہے کہ اسلام کی ترقی و تنزل کا نقشہ کھینچا گیا ہے ÷

مدارا۔ یہ لفظ محاورہ میں اکثر ظاہرداری کی تواضع پر بولا جاتا ہے +

مُذکّر۔ نوکری کا صیغہ ÷

مُدبر۔ ادبار والا۔ بدبخت +

مُدّعی۔ اکثر جھوٹا دعوٰی کرنے والے کو کہتے ہیں چنانچہ ؎

باطل است انچہ مدعی گوید (گلستاں)

مُراد و مُرید۔ صوفیہ کی اصطلاح میں مراد
وہ شخص ہو جس نے جاذبۂ الٰہی کے بعد درویشی
اور سلوک اختیار کیا ہو۔ اور مرید وہ جو سلوک
کے بعد جذب کے مرتبہ کو پہنچا ہو +

مَرقد۔ قبر ؞

مُزمِن۔ پرانا۔ اکثر امراض ہی پر اطلاق ہوتا ہے

مسّاح۔ پیدائش کرنے والا۔ مساحت کرنیوالا۔

مسخ۔ اعلیٰ سے ادنیٰ صورت میں آجانا ؞

مسِ خام۔ کان سے نکلا ہوا تانبا جو ابھی
صاف نہ کیا گیا ہو ؞

مشائخ۔ دین کے اکابر اور بزرگ لوگ ؞

مصر کی روشنی۔ مصر کے علوم و فنون۔
اس ملک کی ترقی ہند اور فارس اور تمام دنیا
سے مقدم مانی گئی ہو چنانچہ یونان بھی مصر ہی
کے پرتو سے روشن ہوا تھا +

مصلّی۔ نمازی +

مضمر۔ پوشیدہ +

مغیلاں۔ ببول۔ ہندی کیکر +

مفتری۔ جھوٹی حدیثیں بنانے والا +

مفلوک۔ مفلس۔ فلاکت زدہ +

مقبل۔ اقبالمند ؞

مکتوم۔ پوشیدہ +

مکینکس۔ کلوں کا علم۔ یہ انگریزی لفظ ہو،

مگر ایک جہاں ہو غزلخواں عرب کا
غزلخواں سے مراد مدح خوان ہو۔ چونکہ عرب کو اس
سے پہلے مصرع میں بوستان کہا گیا ہو اور باغ
کے پھولوں پر بلبل کے چہچہانے کو غزلخوانی کہتے
ہیں اس لئے عرب کی تعریف کرنے والوں کو
غزلخواں کہا گیا ہے +

مگر خواب میں دیکھ لیتے ہیں سب کچھ
یعنی بڑوں کی بڑائی کے تصوّر سے خوش ہونا،
بھی ایسا ہی ہو جیسے کوئی محبوب چیز خواب میں

دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے خوشی ہوتی ہو +

ملاہی ۔لہو ولعب،کھیل کود +

ملایا۔جزیرہ نمائے ہندوچین کا جنوبی حصّہ +

ملّت ۔ قدیم عربی میں صرف مذہب کو کہتے تھے
مگر اب قوم کو بھی کہتے ہیں اور ہندی زبان میں
ملاپ کو ملّت کہتے ہیں +

ملجا ۔ جائے پناہ +

مُناظر ۔ بحث اور مناظرہ کرنے والا +

مناقب ۔خوبیاں +

منڈلانا ۔گرد پھرنا، جیسے چیل قصاب کی
دوکان پر منڈلاتی ہو +

منزلت ۔ مرتبہ +

منزل کھوٹی ہوئی ۔ رستے میں اتنی
دیر لگی کہ وقت مقررہ تک منزل پر نہ پہنچ سکیں
مجازاً منزل پر نہ پہنچ سکنا +

منوا کے چھوڑنا ۔یعنی اپنی بات منائے بغیر
نہ چھوڑنا +

مَوالی ۔ مولیٰ کی جمع ۔ دوست +

مؤرّخ ہیں جو آج تحقیق والے ۔مراد
یورپ کے مورّخ ہیں +

مؤقر ۔صاحب توقیر ۔صاحب عزّت +

منھ خام ہونا ۔ منھ بند ہونا +

مویشی ۔ ڈھور ڈانگر جیسے گائے بھینس وغیرہ

مہتر ۔ خاکروب +

میاں مٹھو بنانا ۔میاں مٹھو طوطے کو کہتے
ہیں ۔میاں مٹھو بنانے سے ایسا پڑھانا مراد ہے
جیسا طوطے کو پڑھاتے ہیں جو صرف الفاظ
یاد کرلیتا ہو ۔مگر سمجھتا کچھ نہیں +

میّت ۔ یہ لفظ اصل میں میّت ہو ۔ مگر اُردو
میں میّت بولتے ہیں +

ن

ناثر ۔ نثر لکھنے والا +

نہ اخلاق کی وضع ہوتی ترازو - ترازو
کا وضع ہونا اس کا برپا اور قائم ہونا جیسا کہ قرآن
میں ہو ونضع الموازین القسط مقصود یہ ہو
کہ اگر علما کوشش نہ کرتے اور علم اخلاق اور سلوک
مدون نہ ہوتا تو اچھے اور برے اخلاق کی کچھ تمیز نہ ہوتی
ناسپرد - وہ راستہ جس پر کوئی نہ چلا ہو +
ناظم - شاعر +
ناک بھوں چڑھانا - ناراض ہونا +
ناکسی - نالائقی +
نام خدا - یہ لفظ ماشاء اللہ یا چشم بد دور کی جگہ
بولا جاتا ہے اور بطریق استہزا بری حالت پر بھی
اس کا اطلاق ہوتا ہو +
نام کٹنا - معزول ہونا +
نام لیوا - کسی کے مرنے کے بعد اس کو بھلائی
سے یاد کرنے والے +
نئی روشنی - زمانہ حال کی شائستگی یا علوم و
فنون جدیدہ +
نبوت کا سایا ابھی ہنوں تھا - نبوت کے
سایہ سے مراد خلافت راشدہ ہو +
نپٹ - محض +
نجابت - شرافت +
نچلا - خاموش، بے جنبش و حرکت +
نرالا - سب سے الگ، انوکھا - عجیب +
نسخ و نسیاں - نسخ شرع کی اصطلاح میں
کسی پہلے حکم شرعی کو بدل کر اس کی بجائے دوسرا
حکم مقرر کرنا اور نسیان یعنی پہلا حکم بھلا کر دوسرا
حکم بھیجنا - یہ دونوں لفظ قرآن کی اس آیت سے
ماخوذ ہیں - مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا
نشان - جھنڈا، علامت +
نشے میں چور ہونا - مست اور مدہوش ہو جانا
نصرانی - عیسائی +
نعم البدل - اچھا بدلہ جو کسی شے کے عوض حاصل ہو

نظامیہ نوریہ مستنصریہ الخ اس بند میں گلے
زمانہ کے چند مدارس اسلامیہ کا نام لیا گیا ہے،
ازانجملہ نظامیہ کے نام سے پانچ مدرسے ہرات نیشاپور
اصفہان، بصرہ، بغداد میں خواجہ نظام الملک طوسی
وزیر الپ ارسلان سلجوقی کے بنوائے ہوئے تھے اور
نوریہ نور الدین ارسلان شاہ موصل کا موصل میں
مستنصریہ خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کا بغداد میں
ستیہ یعنی مدرسہ ست الشام خاتون بن ایوب خواہر
صلاح الدین کا بنایا ہوا، دمشق میں۔ صاحبیہ وزیر
صفی الدین کا قاہرہ میں۔ رواحیہ رواحہ کے پوتے
زکی ابو القاسم ہبۃ اللہ کا دمشق میں۔ ناصریہ ملک
الناصر صلاح الدین کا قبرس میں جاری تھے اور
نفیسیہ، عزیزیہ، زمنیہ، عربیہ، قاہریہ وغیرہ۔
جن کے بانیوں کے نام معلوم نہیں ہیں بیت المقدس
موصل۔ بغداد۔ دمشق اور اسکندریہ میں کھلے ہوئے تھے

نفر۔ اردو میں قلی اور کم درجہ کا آدمی ٭

نکبت۔ خواری و ذلت +

نکبت کی زد۔ نکبت کا صدمہ یا اس کے
صدمہ کی پہنچ یا رسائی ٭

نمائش پہ دنیا کی بھولے یہ سب ہیں کیسے
بھولنا اس کے سبب دھوکا کھانا یا اس پر مغرور ہونا

نہ محنت پہ مائل نہ قدرت کے قائل یعنی
نہ محنت کرتے ہیں اور نہ اس بات کے قائل ہیں کہ
کوشش سے خدا تعالیٰ ان کو مقاصد میں کامیاب
کر سکتا ہے +

نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینہ؛
لہو اور پسینہ ایک ہو جانے سے نہایت کوشش
اور جانفشانی مراد ہے +

نہیں جہل میں جس کے حصہ کسی کا
یعنی جس کی جہالت اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ کوئی
اس کی طرح جاہلیت میں نہیں رہا +

نہیں چلتی توپوں میں تلواران کی

یعنی وہ دلیلیں زمانہ حال کے طریقہ استدلال کے
سامنے ایسی ہی بیکار ہیں جیسے کہ توپ کے سامنے
تلوار کوئی حقیقت نہیں رکھتی ✦

نیرنگ گردوں - افسون و شعبدۂ گردوں مجازاً
انقلاب روزگار ✦

نیشن - انگریزی میں قوم کو کہتے ہیں ✦

نیم بسمل - فارسی میں تڑپنے والے ذبح کئے ہوئے
جانور کو بسمل کہتے ہیں جو نہ بالکل مُردہ ہو نہ زندہ
اُردو میں بسمل کو نیم بسمل بھی کہتے ہیں۔ مسدس میں
نیم بسمل سے مجازاً متوسط الحال لوگ مراد ہیں
جو نہ امیر ہیں نہ فقیر ✦

و

وتیرہ - شیوہ طریقہ ✦

ودیعت - امانت ✦

وقعت - عزت عظمت ✦

وقف کرنا - کسی شئے کے فوائد کو ہر شخص
کے لئے مباح کردینا ✦

ولا - دوستی - محبت ✦

وہابی - مسلمانوں کے اس فرقہ سے مراد ہے
جو صوفیہ کا طرف مقابل سمجھا جاتا ہے۔ اصل میں
یہ لفظ ہائے مشدد سے ہے مگر عام محاورے میں
تخفیف کے ساتھ بولا جاتا ہے ✦

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی - یہ قدیم
عرب کی ایک مشہور لڑائی کی طرف اشارہ ہے جو
حرب بسوس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے
کسی کا ایک اونٹ کسی کے کھیت میں چلا گیا،
کھیت والی عورت نے اُسے مارا۔ اونٹ والے نے
عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی۔ اس بات پر سنہ ۴۹۴ء
سے سنہ ۵۳۴ء تک برابر لڑائی رہی۔ اول یہ لڑائی
بنی بکر و بنی تغلب میں ہونی شروع ہوئی تھی،
مگر رفتہ رفتہ عرب کے تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے
اور ابتدا سے آخر تک ستر ہزار آدمی مارے گئے

وہ بلدہ کہ فخرِ بلادِ جہاں تھا۔ اس بلدہ
سے مُراد بغداد ہے جو ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ تک
عباسیوں کا دارالخلافہ رہا اور آخر کو تاتاریوں نے
اس کو پامال کرکے وہاں اپنی سلطنت قائم کی،

وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے دَر دَر۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک بار کچھ سوداگر آکر شہر
سے باہر اترے۔ رات کو آپ اور عبدالرحمن بن عوف
حسبِ عادت گشت کرنے کے لئے وہاں گئے، ان کو
رات بھر میں تین بار ایک بچّہ کے رونے کی آواز
آئی۔ عمر فاروقؓ ہر دفعہ اس خیمہ پر جاتے اور اس کی
ماں کو ملامت کرتے تو کہتی بُری ماں ہے کہ تیرا
بچّہ اول رات سے بے چین ہے۔ آخر اُس عورت نے کہا
اے خدا کے بندے تو نے مجھے ساری رات دق کیا۔
میں اس کو دُودھ پینے کی عادت چھُڑواتی ہوں وہ
ضد کرتا ہے۔ کہا کیوں؟ کہا عمر دُودھ چھُٹے بغیر
بچّوں کا وظیفہ مقرر نہیں کرتا یہ سُن کر آپ بہت
روئے اور اپنے جی میں کہا کہ خدا جانے مسلمانوں
کے کتنے بچّے میرے سبب سے ہلاک ہوئے ہوں گے۔
اسی وقت تمام ملک میں منادی کرائی کہ کوئی
اپنے بچّہ کا قبل از وقت دُودھ نہ چھُڑائے۔ ہر مسلمان کے
ہاں بچّہ پیدا ہوتے ہی اس کا وظیفہ بیت المال
سے مقرر کیا جائے گا +

وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اٹھاتے

امثال لقمان کی یہ کہانی مشہور ہے کہ کچھوے اور
اور خرگوش نے ایک حد تک دوڑنے کی شرط بدی
تھی۔ خرگوش شرط بد کر سو رہا اور کچھوا برابر چلنے
میں سرگرم رہا آخر وہ تو اس حد پر پہنچ گیا اور خرگوش
کی اس وقت آنکھ کھلی جب وقت ہاتھ سے جاتا رہا

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا الخ

اس گھر سے مُراد خانہ کعبہ ہے جو کہ بنائے حضرت سلیمان یعنی
بیت المقدس سے نو سو بچانوے برس پہلے اور مسیح کی
ولادت سے دو ہزار برس پہلے تعمیر ہوا تھا +

وہ دین جس نے اعدا کو اخواں بنایا۔
قرآن کی آیت ذیل کی طرف اشارہ ہے "كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا" یعنی تم دشمن تھے سو خدا نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور ہو گئے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی

وہ لقمان و سقراط کے دُرِّ مکنون الخ
لقمان ایک مشہور حکیم ہے جو مسیح سے تقریباً چھ سو برس پہلے یونان میں ہوا ہے۔ یونان کی امثال یعنے کہانیاں مشہور ہیں جن کی نسبت یورپ کے مؤرخ کہتے ہیں کہ انہوں نے وحشیوں کو شائستہ، ظالموں کو رحمدل اور سرکشوں کو فرمانبردار بنایا ہے کہتے ہیں کہ لقمان پر مقام ڈلفی پر بے دینی کا الزام لگایا تھا اس لئے پہاڑ پر سے گرا کر مارا گیا۔ سقراط ایتھنز کا مشہور حکیم ہے جس کو مسیح سے چار سو برس پہلے زہر دے کر مارا گیا۔ سولن یونان کا مشہور مقنن ہے۔ یہ بھی ایتھنز کا مشہور باشندہ تھا۔ بقراط ارسطو اور افلاطون کو ردیف ب اور الف میں دیکھو +

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
اس مصرعہ میں قرآن کی آیت ذیل کی طرف اشارہ ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

ہ

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا۔ دکان نہ چلنے کے سبب بے کار بیٹھنا +

ہجرت۔ وطن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا +

ہچکچانا۔ کسی کام کے کرنے میں پس و پیش یا تردد کرنا +

ہدیٰ۔ ہدایت۔ رہنمائی +

ہذیان۔ بیہودہ یا بے سر و پا باتیں +

ہر اک راہرو کا زمانہ ہو ساتھی یعنی آج کل جو شخص منزلِ ترقی کا راہرو ہوتا ہو خود زمانہ اس کا ممد و معاون ہو۔ چونکہ سلطنت کی طرف

سے اس کے لئے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں
ہے اور رسم ورواج وغیرہ کی مزاحمتیں بھی رفتہ رفتہ کم
ہوتی جا رہی ہیں +

ہر اک میکدے سے بھر جا کے ساغر الخ اس
بند میں ہر میکدے میں سے ساغر بھرنے اور ہر گھاٹ
سے سیراب ہونے اور ہر روشنی پر پروانے کی طرح گرنے
سے یہ مراد ہے کہ وہ ہر موقع سے علم وحکمت حاصل کرتے
تھے۔ ٹیپ کے شعر میں اس حدیث کا مضمون درج
ہے الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا

ہزالِ بدن۔ لاغری بدن +

ہدف نظر۔ چشم بد دور اور ہدف نظر دونوں محاورے
ایک ہی موقع پر بولے جاتے ہیں ان کا اصل استعمال
خوبیوں کی جگہ کیا جاتا ہے مگر طنزاً برائیوں پر بھی
استعمال کرتے ہیں اور یہ زیادہ بلیغ ہے جیسے
مسدس میں شاعری کی نسبت ؎

وہ سے ہے ہدف نظرِ علم الث ہمارا

اور بداخلاق عالموں کی نسبت ؎

ستون چشم بد دور ہیں آپ ہیں کے

ہمتا۔ مانند۔ مثل +

ہُن۔ ایک سونے کا سکہ دکھن میں رائج تھا
اور محاورے میں ہُن برسنے سے دولت کی کثرت
اور افراط مراد ہے لیکن یہاں دولتِ علم مقصود ہے

ہوا اندلس اُن سے گلزار کیسر۔ ان دو
بندوں میں چند الفاظ شرح طلب ہیں (۱) اندلس
یہ نام اسپین کا مسلمانوں نے رکھا تھا۔ یہاں
سات سو برس تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے
(۲) بیت حمرا۔ یہ عمارت گرینڈا میں اب تک مسلمانوں
کی یادگار رہی۔ اندلس کے دوسرے خلیفہ کے عہد میں
بنی تھی اور اٹھارویں خلیفہ کے عہد میں مسلمانوں
سے چھن گئی۔ دوسرے بند میں وہاں کے مشہور
شہروں اور مقامات کے نام ہیں۔ گرینڈا کو
وہاں کے مسلمان غرناطہ کہتے تھے۔ ولنسیہ

کو بلنسیہ۔ بدجور کو بطلیوس۔ کیڈس کو قادس
سویل کو اشبیلیہ اور کارڈوا کو قرطبہ کہتے تھے +

ہونہار۔ وہ لڑکا یا پودا جس میں رشید یا سرسبز ہونے کی علامتیں پائی جائیں +

ی

یزدانی۔ اس سے مراد پارسی لوگ ہیں جو ایک خیر کا اور دوسرا شر کا خالق مانتے ہیں اور پہلے کو یزداں اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں ÷

یغمائی۔ لٹیرا ÷

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی۔
عرب کی برق سے مراد ان کی زبان آوری اور فصاحت و بلاغت ہے ÷

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت الخ
یعنی خدا کی غیرت کا دریا جوش میں آیا اور وہ اپنی مخلوق کو گمراہی اور ضلالت میں نہ دیکھ سکا دوسرے مصرعہ میں جبل بوقبیس کی طرف ابر رحمت کے بڑھنے سے یہ مراد ہے کہ رحمت الٰہی عرب کی طرف متوجہ ہوئی۔ تیسرے مصرعہ میں خاک بطحا سے مراد مکہ کی زمین اور ودیعت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہے جس کی شہادت انبیائے سابقین دیتے چلے آتے تھے۔ آخیر کے دو مصرعوں کی شرح دیکھو (دعائے خلیل) میں +

یکہ تاز۔ جو سوار گھوڑا دوڑانے میں مثل ہو

یمانی۔ یمن کے رہنے والے ÷

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا۔ اس میں حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے: الخالق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ +

یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی یعنی جو آزادی آخر کو یورپ اور امریکہ میں پھیلی اور جس سے دنیا کے اس بڑے حصہ کو سرسبز کیا

اس کی بنیاد اوّل خلافت راشدہ کے زمانہ میں
پڑی تھی۔ جیسا کہ مختصر طور پر مسدس میں بیان
کیا گیا ہے +

یہ کہہ کر کیا علم پر ان کو شیدا۔ اس میں
حدیث ذیل کی طرف اشارہ ہے۔ الا ان
الدّنیا مَلعُونۃ مَلعُون مَا فِیھَا اِلَّا
ذکر اللہ وَمَا والاہ وعَالِمَ وَمتعلّم
یعنی خبردار ہو کہ دنیا اور دنیا کی چیزیں
قابل نفرت ہیں بجز ذکرِ خدا کے یا جو اس سے
ملتا جلتا ہو اور بجز عالم اور متعلم کے +

یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفّا شیر شاہ
نے ایک سڑک بنوائی تھی جو چار مہینے کے رستہ
میں [illegible]ی تھی اور جس پر سات سات
کوس کے فاصلہ سے ایک ایک سرائے پختہ
بنوائی تھی لب سڑک جابجا کنوئیں اور
مسجدیں اور مسجدوں میں امام اور مؤذن
مقرر کئے تھے۔ سراؤں میں ہندو اور
مسلمان نوکر تھے۔ تاکہ سب مسافروں
کو آرام ملے۔ سڑک کے دونوں طرف
درخت لگوا دیئے تھے کوس کوس بھر پر ایک
ایک منارہ بنوایا تھا جس سے رستہ کا
اندازہ ہو +

یہی ہیں جنید اور یہی بایزید اب
حضرت جنید بغدادی اور بایزید بسطامی
تیسری صدی ہجری کے مشہور عرفا،
اور کاملین میں سے ہیں +

تمّت